

خونِ مسلم

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا
بِأَحَدِي ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ دَالَّتِيبُ الزَّانِي وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ
الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ . [البخاری: ۶۸۷۸ - مسلم: ۱۶۷۶/۲۵]

”جو مسلمان مرد یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ
کا رسول ہوں تو تین صورتوں کے علاوہ اس کا خون حلال نہیں ہے:

①.....جان کے قصاص میں

②.....شادی شدہ بدکاری کرنے والا

③.....اپنے دین کو چھوڑ کر مرتد ہونے والا اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ

ہونے والا۔

کتمانِ علم

(۲۲)..... وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَلْيَسْتَبْشِرُوا قَالَ إِذَا يَتَكَلَّمُوا فَأَخْبِرْ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِيهَا - [البخاری: ۱۲۸ - مسلم: ۵۳ / ۳۲]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب کہ حضرت معاذ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ اے معاذ! انہوں نے کہا: میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا، اے معاذ! انہوں نے جواب دیا میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا: اے معاذ! انہوں نے عرض کیا میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تین دفعہ فرمایا تو آپ نے فرمایا جو شخص بھی سچے دل سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس کی خبر لوگوں کو نہ پہنچا دوں تاکہ وہ بھی خوش ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: اس طرح (وہ صرف زبانی کہنے پر) بھروسہ کر لیں گے۔ حضرت معاذ نے یہ حدیث فوت ہوتے وقت، گناہ سے بچنے کے لیے لوگوں کو بیان کر دی۔“

اس حدیث کا مفہوم بھی حدیث سابق کی طرح یہی ہے کہ جب کوئی شخص دل سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعتراف کر لے تو وہ اس کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی ضرور انجام دے گا۔
بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جاہل لوگ صرف زبان سے اعتراف پر اقتصار کر لیں گے اور عمل صالح کو اہمیت نہ دیں گے اس لیے اس کو عوام پر ظاہر نہ کیا جائے۔

آخر میں فرمایا گناہوں سے بچنے کے لیے حضرت انس نے لوگوں کو یہ حدیث سنائی کیوں کہ علم کا اظہار ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ ہماری نازل کردہ ہدایت و بینات کو کتاب میں ہمارے بیان کرنے کے بعد چھپا لیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بھی اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ [البقرة: ۱۵۹]

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جانتے ہوئے اپنے علم کو چھپا لے تو اسے قیامت کے روز آگ کی لگام ڈال دی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ علم کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے۔

فہرست

1	خونِ مسلم	جواہر پارے ❀
2	(عبدالصمد ریا لوی)	کلمۂ طیبہ ❀
5	(حافظ احمد شاہ)	اداریہ ❀
7	(ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی)	تحقیق و تنقید ❀
13	(ابوالبدر ارشاد الحق اثری)	تحقیق و تنقید ❀
18	(فضل اکبر کاشمیری)	اخلاق و کردار ❀
25	(شیخ عمر فاروق)	حدیقۃ الاطفال ❀
29	(حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی)	یاد رفتگان ❀
35	(خالد علیم)	شعر و ادب ❀

مہربان!.....؟

محدثین کرام پر اتہامات کا جائزہ

صحیحین میں غنائے جاریتین..... (۱)

اہمیت صبر

صحت کے آداب

استاذ العلماء مولانا عبدالحمیم کی یاد میں

قتل مسلم کی حرمت

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

بِكُمْ رَحِيمًا﴾ [النساء: ۲۹/۴]

”اور آپس میں ایک دوسرے کے خون نہ کرو

یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نہایت رحم کرنے

والا ہے۔“

قاتل کے لیے دینی رعایت بالکل نہیں

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «لَنْ يُزَالَ

الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصَبْ دَمًا

حَرَامًا» [البخاری: ۶۸۶۲]

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن ہمیشہ

اپنے دین کی کشادگی میں رہتا ہے مگر جب کہ وہ

حرام خون کا مرتکب ہو تو اس صورت میں اس پر

مشکل اور تنگی آ جاتی ہے۔“

11 تا 17 جنوری 2008ء..... (40)..... یکم محرم الحرام 1429ھ

رحمت باری تعالیٰ

بنی اسرائیل کے دو آدمی آپس میں دوست تھے ان میں سے ایک عبادات میں بہت محنت اور جدوجہد کرتا تھا اور دوسرا شخص گناہ گار تھا۔ عبادت گزار نے دوسرے سے کہا تم جس کام میں لگے ہو اے ہو اس سے باز آ جاؤ۔ دوسرا کہنے لگا تم مجھے اور میرے رب کو کھلا چھوڑ دو ایک دن عبادت کرنے والے دوست نے اسے کسی ایسے گناہ کا مرتکب پایا جسے اس نے بہت بڑا گناہ سمجھا تو کہنے لگا: باز آ جاؤ دوسرا شخص کہنے لگا مجھے اور میرے رب کو چھوڑ دو کیا تم میرے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو؟ تو وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی تجھے جنت میں داخل کرے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جس نے ان کی دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور دونوں اللہ تعالیٰ پر پیش ہوئے تو اللہ نے گناہ گار کو فرمایا تم میری رحمت سے جنت میں چلے جاؤ۔ دوسرے سے پوچھا تم میرے بندے پر میری رحمت کو روک سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا: اے میرے

پروردگار ہرگز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسے جہنم میں لے جاؤ۔ [ابوداؤد: ۴۹۰۱ - مسند احمد: ۳۲۲/۲ سندہ صحیح]

مہربان.....!؟

حافظ احمد شاہ

اداریہ

وطن عزیز پر عجب وقت آ پڑا ہے۔ عالمی گدھیں وطن عزیز کو خاکِ بدہن نوچنے کے لیے اس پر منڈلا رہی ہیں۔ ہوس اقتدار میں گرفتار ہمارے سیاست دان اپنے سطحی اور وقتی مفادات کی خاطر کوئی جرأتِ مندانہ موقف جو مسلم امہ یا وطن عزیز کے مفاد میں ہو نہیں رکھتے۔ سیاسی تجزیہ نگار موجودہ حالات کو ۱۹۷۱ء جیسے حالات کے مشابہ قرار دے رہے ہیں۔ اہل وطن کا ذہنی خلبان ہردن بڑھ رہا ہے۔ اہل درد آنے والے خطرات کا احساس وادراک رکھنے کے باوجود حالات کا دھارا بدلنے پر قادر نہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکنے، اس کی طرف رجوع کرنے، اس سے ملنے و انفرادی گناہوں سے توبہ کرنے اور اس سے معافی مانگنے کے سوا اور کوئی بات بھائی نہیں دیتی۔ لیکن افسوس کہ اس طرف نہ عوام کا دھیان ہے نہ سیاسی لیڈروں کا اور نہ حکمرانوں کا حتیٰ کہ ہمارے علمائے کرام اور خطیبان عظام بھی مسلمانوں کو اس طرف متوجہ نہیں کر رہے۔ لا ماشاء اللہ۔ ہم سب مسبب کو بھلا کر اسباب پر توجہ مرکوز کرنے کی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ ہم اس عادت اور کوتاہی کو مرض سمجھنے کی بجائے دانش قرار دے کر اور روشن خیالی جان کر مطمئن ہیں۔

ہلالِ صلیب کی کشمکش سے جب اہل صلیب نے یہ جان لیا کہ مسلمانوں کو میدانوں میں براہِ راست شکست سے دوچار کرنا ممکن نہیں بلکہ ان کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنے سے ہی صلیبِ غلبہ حاصل کر سکتی ہے، تو پہلے انھوں نے مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت، مغل حکومت کو تاراج کیا، پھر لارنس آف عربیہ کے ذریعے دسیسہ کاریوں کا جال پھیلا کر خلافتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، پھر اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کی قوت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور جب جدید دنیا کی پہلی نظریاتی مملکت پاکستان وجود میں آ گئی اور اس نے مستحکم ہونا شروع کیا تو مملکتِ خداداد پاکستان کے دونوں بازوؤں یعنی مغربی و مشرقی پاکستان میں نفرت کے بیج بونے کے لیے پہلے زبان اور پھر استحقاق کا ایشو کھڑا کر دیا اور دونوں طرف اپنے مہرے تیار کرنے شروع کر دیئے اور بالآخر طاغوت کے یہ پجاری مشرقی بازو کاٹنے میں کامیاب ہو گئے اور پاکستان آدھا رہ گیا۔ یہ بات اخبارات میں محفوظ ہوگی اور تاریخ میں بھی ہے کہ کم و بیش نصف صدی قبلِ فلسطین کے مفتی اعظم الشیخ امین الحسینی رحمہ اللہ جب پاکستان کے دورے پر آئے تو انھوں نے پاکستانی حکام کو متنبہ کیا تھا کہ ”پاکستان کو لسانی فتنوں اور علاقائی عصبیتوں سے محفوظ رکھیں“، لیکن پاکستانی حکام جس ”مہربان“ کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے اپنی پالیسیاں جاری رکھیں اور مشرقی پاکستان میں عددی اکثریت کی بنا پر بنگلہ زبان کی تحریکیں اٹھنے لگیں اور کراچی میں اردو اور سندھی زبان کے نام نہاد ہمدرد اس فتنے کو ہوا دینے لگے جو مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بن جانے پر منتج ہوا۔

صلیبی صرف ان سازشوں پر ہی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ مسلم امہ میں جب بھی کوئی بادبان یا درد مند قائد سر اٹھانے لگا تو انھوں نے جب تک اس کو ختم نہیں کر دیا تب تک انھیں چین نہیں آیا۔ ملکِ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ نے جب مسلم امہ کو بیدار اور متحرک کرنے کا ارادہ کیا تو ان کو ”اپنوں“ ہی کے ہاتھوں شہادت تک پہنچا دیا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جب مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے دل میں سقوطِ مشرقی پاکستان

کے درد نے انگڑائی لی اور انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے ایٹمی پلانٹ کی منصوبہ سازی اور وطن عزیز کے دفاع اور اس کے استحکام کے لیے پیش رفت شروع کی تو صلیب کو یہ بھی برداشت نہ ہو سکا۔ جب مرحوم ضیاء الحق نے آگے بڑھ کر روسی ریچھ کو ٹیکل ڈالی اور افغانستان سے اس کو بھاگنے پر مجبور کر دیا..... یہاں تک تو امریکا نے پاکستان کی خوب مدد کی کہ اس کا دشمن زچ ہو رہا تھا..... لیکن جب ضیاء الحق نے مسلم امہ کے استحکام کو مقصد حیات قرار دے لیا تو ضیاء الحق کو پوری ٹیم سمیت خاکستر کر دیا جس کے بعد بہ ظاہر تو اس کا راستہ صاف ہو گیا لیکن جنرل ضیاء الحق مسلم امہ میں بیداری کی جواہر پیدا کر گئے تھے وہ سوڈان، بوسنیا، عراق، افغانستان اور اب پاکستان میں لاکھوں بے گناہ اور نہتے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کے بعد بھی اب تک صلیب کے قابو میں نہیں آ رہی۔ شکست روس کے بعد تو خصوصاً اس نے خواجہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف قرار دے کر ہدف بنالیا۔ مسلمانوں کی بد قسمتی سے یا صلیب کی خوش قسمتی سے اس کو نظریاتی مملکت پاکستان میں ایک ہی بڑھک سے ڈھک جانے والا حلیف مل گیا جو اس کی رائے میں ”غیر بنیاد پرست“، ”روشن خیال“ اور ”معتدل“ تھا اگرچہ اس سے پہلے کے حکم رانوں نے بھی اپنے غیر بنیاد پرست اور جدت پسند ہونے کا بار بار یقین دلایا تھا لیکن اس کی نگہ دور رس نے اپنا مقصد ڈھونڈ ہی لیا جس کا آٹھ سالہ دور حکومت تو حال کی بات ہے جس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کے سانحہ لیاقت باغ کے بعد سب سے پہلے ”جنت بھائی“ نے سندھ پنجاب کی نامساعد تفریق کی چنگاری سلگائی پھر سابق وزیر اعلیٰ پنجاب اپنے بے پناہ وسائل سے سندھیوں کے پنجابیوں پر مبینہ ظلم و ستم کی موہوم داستانیں بطور اشتہار اخبار میں دے کر اس چنگاری کو شعلہ بنانے میں جت گئے۔ پھر پیپلز پارٹی کے بعض غیر دانشور امیدواران قومی و صوبائی اسمبلی مذکورہ بالا اثر پسندانہ خیالات کو ہوادے رہے ہیں۔ حالانکہ اخبارات میں ان ہنگاموں سے متاثر ریلوے مسافروں نے سندھی بھائیوں کی خدمت، تعاون اور بھائی چارے کی تحسین کی ہے۔ یہ بات بھی خوش آئند واقع ہوئی کہ میاں نواز شریف، قاضی حسین احمد اور دیگر صوبوں کی سیاسی جماعتوں کے قائدین نے اپنے وفود سمیت نوڈیو جا کر آصف علی زرداری اور بھٹو خاندان سے تعزیت کی۔

سیاسی احوال پر نظر رکھنے والے جو لوگ ان حالات کو ۱۹۷۱ء کے مشابہ قرار دے رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ شمال کی سرحدی پٹی یعنی وانا، وزیرستان، باجوڑ وغیرہ اور اب سوات میں شہریوں کو شہر پسند اور طالبان کا نام دے کر اسی طرح ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں جس طرح ۱۹۷۰ء میں بنگالی بھائیوں پر ڈھائے گئے تھے۔ ایک خاص لابی اور مخصوص طرز فکر نے جس طرح اس وقت مشرقی اور مغربی پاکستان کے بھائیوں کے مابین اجنبیت اور نفرت کی دیوار کھڑی کر دی تھی اب وہی لابی پنجابی، سندھی کی نفرت و عصبیت پھیلا رہی ہے۔ جو طبقہ اور گروہ ۱۹۷۰ء میں دو بھائیوں میں سے ایک کو ظالم اور دوسرے کو مظلوم بنا اور بار بار کرتا رہا تھا وہی طبقہ اب پھر سرگرم عمل ہے۔

ہم نہیں بلکہ وطن عزیز کا ہر خیر خواہ یہ چاہتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو کفار کی کھڑی کی ہوئی نفرت و عصبیت کی اس دیوار کو ڈھادینا چاہیے اور سندھی بلوچی اور پنجتون پنجابی کی بجائے محبت اور ایثار کرنے والا ایک سچا پاکستانی بن کر صلیبی استعمار کی اس سازش کو ناکام بنانا چاہیے۔ کیوں کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات ہمیں یہی درس دیتی اور اسی کی راہ نمائی کرتی ہیں کہ تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

ہم حکم رانوں، سیاسی جماعتوں کی قیادت اور وطن عزیز کے پالیسی سازوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کو کبھی مہربان نہ جانیں جن کو دوست اور رازدار بنانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کیوں کہ اس حکم پر عمل کرنے ہی میں خیر ہے اور برکت ہے۔ اللھم اھدنا فیمن

ہدیت، وعافنا فیمن عافیت

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم پر اتہامات کا جائزہ

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

مؤلف کے جھوٹ:

کتاب کا موضوع ہے کہ ثابت کیا جائے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں بہت سی احادیث (معاذ اللہ) من گھڑت ہیں مگر یہ الگ بات ہے کہ مؤلف کسی علمی اصول کے تحت صحیح بخاری کی کسی ایک حدیث کو بھی من گھڑت ثابت نہیں کر سکے ہاں البتہ خود کذب بیانی افتراء علی اللہ اور افتراء علی رسول اللہ کے مرتکب ضرور ہوئے ہیں۔ جن میں سے ان کے صرف چند کذبات کو قارئین کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ اس نام نہاد شیخ الحدیث بقلم خود امام انقلاب کی اپنی حیثیت واضح ہو سکے۔

①..... مؤلف نے اپنی کتاب کا آغاز ہی رسول مکرم ﷺ پر افتراء اور جھوٹ سے کیا ہے۔ چنانچہ تمہید میں ہی لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں سراج الامت کی پیش گوئی فرمائی۔ [ص: ۱۱۱، مفہوماً]

موصوف نے دراصل اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے عام طور پر متعصب احناف امام صاحب کے فضائل میں بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوحنیفہ سراج امتی ”ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہیں۔“ یہ حدیث ائمہ نقاد محدثین کے نزدیک من گھڑت ہے اس کا راوی محمد بن سعید البورقی کذاب اور وضاع ہے۔ اس کے بارہ میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

کان احد الوضاعین -

”یہ حدیث وضع کرنے والوں میں سے ایک تھا۔“

امام حمزہ السہمی فرماتے ہیں:

”کذاب خبیث تھا۔“ [میزان الاعتدال، ص: ۵۶۶، ج: ۳]

حال ہی میں ”قرآن مقدس اور بخاری محدث“ کے نام سے ایک اسلام شکن کتاب شائع ہوئی ہے جس کے ٹائٹل پر مؤلف کا نام احمد سعید ملتانی مرقوم ہے۔ اور مؤلف کے نام کے ساتھ شیخ التفسیر والحدیث، امام انقلاب، حضرت علامہ جیسے القاب کا بھی لاحقہ ہے۔ کتاب کیا ہے صحیح احادیث کو باطل قرار دینے کی سعی نامشکور ہے۔ قلم کی زبان ناشگفتہ بلکہ انتہائی بے ہودہ ہے جس میں مؤلف نے بزم خویش صحیح بخاری کا آپریشن کیا ہے اور اپنا پورا زور اس پر صرف کیا ہے کہ ائمہ محدثین جو اسلام کے اصل محافظ ہیں اور جن کی کوششوں اور مساعی سے آج ہمارے پاس اسلام اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کو اسلام کی حفاظت کی توفیق عنایت نہ کرتا تو یقیناً اسلام کے حلیہ کو یہودیت اور نصرانیت سے بھی زیادہ گھناؤنی شکل میں بگاڑ دیا جاتا اور آج اصل اسلام کی صورت باقی نہ ہوتی۔ ان محدثین کو مؤلف موصوف نے اپنی زبان میں خوب کوسا ہے حتیٰ کہ امام زہری جیسے عظیم محدث اور فقیہ کو بکواسی اور امام ہشام بن عروہ جیسے اسلام کے عظیم سپوت کو کذاب تک کہہ دیا ہے۔

کتاب کا سرسری جائزہ اس بات کی واضح شہادت دیتا ہے کہ یہ کتاب اوّل تا آخر تضادات ہفوات اور کذبات کی معجون مرکب ہے جس میں اس مؤلف نے صحیح متفق علیہ احادیث کو اپنی عقل ناسدید کے بل بوتے پر ٹھکرا کر رسول اللہ ﷺ کی توہین اور گستاخی کی ہے۔ ایسی دلاڑ کتاب کا جائزہ محض اسلام کی حفاظت کا ایک فریضہ ہے تاکہ بعض لوگ اس اسلام شکن کتاب سے کہیں احادیث صحیحہ کے بارہ میں شکوک و شبہات کا شکار نہ ہو جائیں ورنہ یہ اس لائق ہے کہ اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

اس روایت کے من گھڑت ہونے پر محدثین کی بہت زیادہ شہادتیں اور فیصلے ہیں۔ ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ایک حنفی محدث کا فیصلہ تحریر کرتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

موضوع باتفاق المحدثین -

[الموضوعات الکبیر، ص: ۲۳]

”اس حدیث کے من گھڑت ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔“

حافظ خطیب بغدادی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”محمد بن سعید البوری جھوٹ پر کتنا بڑا جری ہے جیسا کہ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ سنی نہیں۔ ہم خواہش کے غلبہ سے اللہ کریم سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ [تاریخ بغداد، ص: ۳۱۰، ج: ۵]

راقم الحروف کہتا ہے شاید بوری کو تو کذب علی رسول اللہ والی حدیث کا علم نہ ہوا البتہ ہمارا موصوف تو اس متواتر حدیث سے ناواقف نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ خود کو شیخ الحدیث ظاہر کرتا ہے گویا کہ اس امام انقلاب نے یہ روایت نقل کر کے بوری سے بھی رسول اللہ پر جھوٹ باندھنے کی زیادہ جرأت کی ہے۔

قارئین کرام! جس کتاب کا آغاز ہی ایک من گھڑت روایت سے ہوا ہو اس کا مؤلف کس قدر ثقہ ہوگا اور اس کی کتاب کتنی قابل اعتماد ہوگی۔ حقیقت یہی ہے کہ نہ اس کا مؤلف ثقہ ہے اور نہ ہی اس کی یہ تالیف قابل اعتماد ہے۔

④..... موصوف لکھتے ہیں: محدث دارقطنی وغیرہ کے ذہن رسا بیان میں واقعیت ہے کہ بخاری ضعیف فی الحدیث اور متعصب ہے۔ [ص: ۱]

موصوف نے یہ تو کہہ دیا کہ امام دارقطنی نے امام بخاری کو حدیث میں ضعیف اور متعصب کہا ہے مگر اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ان کا یہ بھی جھوٹ ہے اس لیے انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ہم علی البقین کہتے ہیں کہ امام دارقطنی سمیت کسی ایک محدث نے بھی امام بخاری کو حدیث میں ضعیف نہیں کہا۔ رہی تعصب کی بات تو یہ احناف کا شگوفہ چھوڑا ہوا ہے جو علمی

اصول اور دیانت سے بہت بعید ہے اور صحیح بخاری کے اسلوب سے جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ ائمہ عظام تو امام بخاری کو امام المحدثین اور رئیس الفقہاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ [ہدی الساری]

امام دارقطنی نے امام بخاری کے بارہ میں تو ایسی بات نہیں کی کہ وہ حدیث میں ضعیف ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے بارہ میں انہوں نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ یہ ضعیف ہیں۔ [سنن دارقطنی، ج: ۱]

③..... موصوف لکھتے ہیں امام زبیلی اور اوزاعی نے فرمایا:

الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ - [ص: ۲۰]

امام زبیلی تو حنفی ہیں اگر انہوں نے حنفیت کی بنا پر یہ بات کہہ دی تو یہ ناممکن نہیں۔ مگر موصوف نے اس قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا ظن غالب یہی ہے کہ یہ موصوف کا خود ساختہ مفروضہ ہے۔ رہے امام اوزاعی تو وہ اس قول سے قطعاً مبرا ہیں انہوں نے ایسی بات نہیں کی بلکہ حقائق اس کے کچھ برعکس ہیں جن کی تفصیل کا یہاں محل نہیں۔ بلاشبہ یہ بھی موصوف کا امام اوزاعی پر الزام ہے۔

④..... موصوف فرماتے ہیں: امام حمیدی رفع یدین میں اسی طرح امام ترمذی داری وغیرہم سب بخاری کے مخالف ہیں۔ [ص: ۲]

یہ بھی موصوف کا جھوٹ ہے کہ مذکورہ ائمہ عظام مسئلہ رفع یدین میں امام بخاری کے مخالف تھے۔ تنیوں ائمہ رفع یدین کے مسئلہ میں قطعاً امام بخاری کے مخالف نہ تھے بلکہ یہ رفع یدین کی سنیت کے قائل تھے۔ اس دور کے ائمہ کے بارہ میں امام مروزی نے فرمایا تھا کہ تمام لوگ رفع یدین کرتے تھے مگر کوفیوں میں سے چند لوگ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

[جلاء العینین للراشدی]

⑤..... موصوف لکھتے ہیں: قرآن وحدیث اور صحابہ کے قول

وعمل سے اجتہاد فی المسائل ثابت ہے اور اہل علم والفقہ کی تقلید کی ترغیب دی گئی ہے۔ [ص: ۱۲۱]

موصوف نے ایک ہی سانس میں کئی باتیں کہہ دیں۔ رہا اجتہاد فی المسائل کا اس کا تو بین ثبوت ہے۔ رہی یہ بات کہ اہل العلم والفقہ کی تقلید کی ترغیب دی گئی ہے تو یہ موصوف کا قرآن پر، حدیث پر اور

صحابہ کرام پر جھوٹ ہے۔ قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں بھی تقلید کی ترغیب نہیں ہے۔ البتہ اکابر کی بلاوجہ پیروی کی مذمت ضرور ہے۔ رہا حدیث میں تقلید کی ترغیب تو موصوف پوری کوشش کر کے دیکھ لیں کہ وہ کہیں تقلید کا لفظ اس معنی میں تلاش نہیں کر سکتے۔ جس معنی میں مقلدین تقلید کا معنی مراد لیتے ہیں۔ تم خود سوچو جس کے لفظ کا وجود نہیں بھلا اس کی ترغیب کیسے ہو سکتی ہے۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء باندھتے ہوئے کچھ خوف کرنا چاہیے تھا اسی طرح کسی ایک صحابی سے بھی تقلید کی ترغیب کا اثبات نہیں ملتا یہ بھی موصوف کا صحابہ کرام پر افتراء ہے۔ البتہ جناب عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے صریح الفاظ میں تقلید کے خلاف روایات موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”مقلدین ائمہ کی عدالت میں“ ملاحظہ فرمائیں۔

اہل ہدف:

قارئین کرام! موصوف کے یہ چند جھوٹ ہم نے خروارے از نمونہ کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اب ہم موصوف کے اصل ہدف کی طرف آتے ہیں اور وہ ہے محدثین کرام پر طعن و تشنیع کرنا اور انہیں کذاب اور وضاع ثابت کرنے کی کوشش کرنا مثلاً صحیح بخاری کی عام رواۃ کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ بخاری نے لعنتی راویوں پر اعتماد کلی کر کے ام البشر حضرت حواء کو خیانت کرنے والیوں میں ذکر کر دیا۔ [ص: ۲۲]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ”لعنتی راویوں نے بخاری کو ایسا اعتماد دلایا۔“ [ص: ۴۴]

تیسرے مقام پر ہے: ”لیکن بد دماغ روایات کا چوں کہ اپنا وطیرہ ہی جھوٹ ہے۔“ [ص: ۶۳]

چوتھے مقام پر ہے: ”لعنتی روایات بخاری۔“ [ص: ۷۶]

پانچویں مقام پر صحیح بخاری کی ایک حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے حالانکہ یہ ساری داستان ہی جھوٹی بنائی ہے یعنی لعنتی راویوں نے [ص: ۱۰۲] امام انقلاب کے صحیح بخاری کے عام روایات کے بارہ میں یہ چند اقوال ہیں۔ جن میں موصوف نے بتکرار ان ائمہ روایات کو لعنتی قرار دیا ہے اور ذرہ برابر شرم نہیں کی کہ میں کن نفوس قدسیہ پر لعنت کے

دوڑے برسا رہا ہوں اور کن مقدس ہستیوں کو لعنتی قرار دے رہا ہوں۔ اگر ان روایات پر عدم اعتماد کیا جائے اور ان کو لعنتی قرار دیا جائے تو اسلام نام کا کوئی دین باقی نہیں رہتا یہ وہی روایات ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس دین کی حفاظت کی خاطر وقف کر رکھی تھیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کے اصل محافظ ہیں ان پر عدم اعتماد کر کے قرآن کریم کا وجود کہاں سے لاؤ گے گویا کہ بخاری کے ان تمام روایات پر عدم اعتماد کا معنی یہ ہے کہ اسلام عہد صحابہ میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ کیوں کہ روایات بخاری میں متعدد صحابہ کرام کے علاوہ سینکڑوں تابعین اور تبع تابعین بھی موجود ہیں جن کے ذریعے ہی اصل اسلام تک رسائی ہو سکتی ہے۔

ائمہ فحول پر تبرابازی:

صحیح بخاری کے تمام روایات کے علاوہ اس بقلم خود امام انقلاب نے ائمہ فحول پر تبرابازی کے نشتر چلانے میں کمی نہیں کی خصوصاً ائمہ تابعین امام زہری ہشام بن عروہ اور ابو حازم انجعی وغیرہم کے بارہ میں انتہائی سوقیانہ زبان استعمال کی ہے۔

امام زہری کے بارہ میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے نہ بخاری کو قرآن کا علم نہ ان کے امام زہری کو علم نہ امام بخاری کو آپ کی حیثیت نبویہ کا پاس نہ زہری ایسے بکواسی کو [ص: ۱۳۰] زہری شیعہ اور پھکڑ باز بھی ہے [ص: ۳۴] امام بخاری، زہری ایسے باتونی اور پھکڑ باز نواز راوی [ص: ۶۷] ملخصاً زہری شیعوں میں شیعہ اور سنیوں میں اہل سنت تھا۔ [ص: ۷۹]

موصوف نے امام زہری کے بارہ میں یہ سب باتیں بلا حوالہ تحریر کی ہیں کسی ایک بات کا ثبوت نہیں دیا آخر وہ ان ہفتوات کا ثبوت کہاں سے مہیا کرتے جب کہ امام زہری بقول حافظ ابن حجر امام غلام حافظ فقیہ اور عالم حجاز اور شام ہیں۔ بعض صحابہ کے تلامذہ میں سے ہیں ان کے تلامذہ کی تعداد کا احاطہ شمار سے باہر ہے جن میں موصوف کے امام اعظم بھی ہیں۔ ان کے بارہ میں مدح و ثنا میں ائمہ اعلام کے اتنے کثیر اقوال ہیں جو ایک مستقل کتاب کے مقتضی ہیں۔ ہمارے علم میں نہیں کہ کسی بھی امام نے امام زہری کے بارہ میں اس طرح کی ہرزہ

سرائی کی ہو جس طرح موصوف نے کی ہے بلکہ امام زہری کے سلسلہ سند کو سلسلہ الذہب (سونے کی کڑی) قرار دیا ہے۔

[تہذیب، ص: ۴۳۸، ج: ۹]

اور ان کی بیان کردہ احادیث پر کامل اعتماد کا اظہار کیا ہے امام نسائی تو فرماتے ہیں امام زہری کی سند احسن الاسانید ہے اور لیث بن جعفر نے فرمایا: اہل مدینہ میں سب سے بڑے فقیہ سعید بن عروہ اور عبد اللہ بن عبد اللہ ہیں تو اس پر امام عراق بن مالک لیث بن جعفر سے فرمانے لگے۔

اعلمہم عندی جمیعاً ابن شہاب لانہ جمع علمہم الی علمہ۔

”میرے نزدیک زہری ان تمام سے بڑے عالم ہیں اس لیے کہ زہری نے ان تمام کے علوم کو اپنے علم میں جمع کیا ہے۔“
امام ابن سعد فرماتے ہیں:

قالوا وكان الزهري ثقة كثير الحديث والعلم والرواية فقيها جامعاً وقال ابو الزناد انه اعلم الناس۔ [تہذیب، ص: ۴۴۹، ج: ۹]

”محدثین امام زہری کے بارہ میں فرماتے ہیں ثقہ کثیر الحدیث تھے علم اور روایت میں بڑھے ہوئے تھے فقیہ تھے جنہوں نے دیگر ائمہ کا علم جمع کیا تھا ابوالزناد فرماتے ہیں تمام لوگوں سے بڑے عالم تھے۔“

اور یہی بات امام ایوب سختیانی نے کہی ہے وہ فرماتے تھے:
ما رأيت أحداً أعلم من الزهري۔

[تہذیب، ص: ۴۴۹، ج: ۹]

میں نے زہری سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ اور یہی بات اپنے دور کے عظیم محدث اور فقیہ امام لیث نے فرمائی ہے:

ما رأيت عالماً اجمع من ابن شہاب ولا اكثر

علماً منه۔ [تہذیب، ص: ۴۴۹، ج: ۹]

میں نے زہری سے بڑا عالم اور جامع کسی کو نہیں دیکھا۔

یہ امام زہری کے بارے میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جنہوں نے ان کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کی ثقاہت اور امانت اور عظیم محدث اور عالم ہونے کی گواہی دی ہے۔ ایسے فحول اور اکابر کی شہادات کے مقابلہ میں اس بقلم خود امام انقلاب کے ہفوات کی کیا حیثیت ہے۔ موصوف کو امام زہری سے صرف اس لیے قدغن ہے کہ ان کی بیان کردہ صحیح احادیث ان کے خود ساختہ اعتقادات کے منافی ہیں۔ امام زہری کے متعلق ایسی لغو گفتگو کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان صحیح احادیث کو رد کر دیا جائے جو ان کے طریق سے مروی ہیں۔ یہ امام زہری سے ناراض نہیں بلکہ صحیح احادیث سے اعراض کنائیں ہیں۔ اس لیے امام زہری نے اپنی زندگی خدمت اور اشاعت سنت کی خاطر وقف کر رکھی تھی۔ ان کا دن رات مشغلہ ہی کتاب و سنت کی تدریس اور ترویج تھا۔ امام زہری خود فرماتے ہیں:

ما نشر احد من الناس هذا العلم نشري ولا بذله

بدلی۔ [تہذیب، ص: ۴۴۹، ج: ۹]

”میں نے لوگوں میں سنت کی جس قدر اشاعت کی کسی اور نے نہیں کی۔“

بس امام زہری کی ترویج سنت میں یہی کوشش موصوف کو کھٹکتی ہے اس لیے کہ سنت کی موجودگی میں ان کے مفروضہ مذہب کے قول و اقوال بے وقعت ہو کر رہ جاتے ہیں جس سے ان کے مذہب کے وجود کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

امام ہشام بن عروہ پر تنقید:

بہت سے منکرین حدیث نے اپنی تنقید کا محور امام ہشام بن عروہ کو بنایا ہے اس لیے کہ یہ اراکان حدیث میں سے تھے اور اشاعت حدیث اور حفاظت حدیث میں ان کا کردار امام زہری کی ہی طرح زندہ اور تابندہ ہے۔ اسی لیے محدثین کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ بھی ارفع و بلند ہے مگر یہ منکرین حدیث کو بہت کھٹکتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کے بارہ میں ہرزہ سرائی کرتے ہیں ان کے نقش پا پر چلتے ہوئے اس نام نہاد شیخ الحدیث نے بھی ہشام بن عروہ کے بارہ میں لچر زبانی کا مظاہرہ

کیا ہے اور ان کے بارہ میں انتہائی سنگین الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں ہشام کذاب اور مدلس ہے۔ [ص: ۱۷]

موصوف نے امام ہشام کے کذاب ہونے کا کوئی حوالہ نہیں دیا اس لیے کہ ان منکرین حدیث سے قبل کسی ایک محدث نے امام ہشام کو ایسے الفاظ سے یاد نہیں کیا۔ بلکہ اکابر محدثین ان کی ثقاہت اور جلالت کے قائل تھے۔ امام ابن سعد ان کے بارہ میں فرماتے ہیں:

ثقة ثبتا كثير الحديث حجة -

ثقہ مثبت حجۃ کثیر الحدیث تھے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ثقہ حدیث میں امام تھے اور ابن حبان فرماتے ہیں: کان متقنا ورعا فاضلا حافظاً۔

[تہذیب، ص: ۵۰، ۵۱ - ج: ۱۱]

محققین پر ہیزگار فاضل اور حافظ تھے۔ محدثین نے ثقات کے جتنے اعلیٰ اوصاف ہیں وہ تمام امام ہشام میں تسلیم کیے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کے قابل اعتماد تھے۔ ان کی بیان کردہ حدیث دلیل اور حجت مانی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث جسے ہشام بیان کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی ہی حدیث ہے جو دین کا ایک جزء ہے اور اس حدیث میں جو بیان ہوا ہے وہ درست اور لائق عمل ہے۔ لہذا موصوف کا امام ہشام کو کذاب کہنا ان کا محض افتراء اور الزام ہے۔ بلکہ اس قابل اعتماد امام پر صریحاً تہمت ہے محدثین میں سے کوئی ایک شخص بھی مؤلف کا اس بارہ میں سلف نہیں ہے۔

امام بخاری پر اتہامات:

موصوف نے اپنی اسلام شکن تالیف میں حجۃ الاسلام امام المحمدين والفقهاء تاج المفسرين امام بخاری اور ان کی کتاب صحیح بخاری پر دل کھول کر تقلیدی ابال نکالا ہے اور امام بخاری پر قرآن کا محرف، مبدل اور بالآخر قرآن کی صریحاً مخالفت کرنے والا اور قرآن سے معارضہ سلوک برتنے والا جیسے الزام عائد کیے ہیں۔ ان کا ہم تفصیل جائزہ مجملہ اللہ اس بارہ میں ایک مستقل تالیف میں لے رہے ہیں جو تکمیل کے آخری مرحلہ میں ہے تاہم اس مختصر مقالہ میں ہم امام بخاری

کے بارہ میں موصوف کے چند خیالات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین اس کی ذہنی خباثت اور خیانت سے مطلع ہو سکیں۔

①..... یہ امام الخراقات بخاری شریف کی ایک حدیث جو آغاز وحی کے بارہ میں ہے، پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ”کیا ایسا آدمی نبی ﷺ کا امتی کہلو انے کا حق بھی رکھتا ہے کیا یہ امام بخاری کا تدین ہے یا لعنتی راویوں کا کاٹا گری ہے کیا امام بخاری اس جرم سے بری ہو سکتے ہیں۔“ [ص: ۱۵]

مزید لکھتے ہیں: ”شومی قسمت کہ اسناد کے چکر میں پڑنے اور مفہوم قرآن کو مبہور (ترک) کرنے والے روایت نے امام بخاری کو بھی ایسا الجھایا کہ نہ ان کو قرآن کی تصریح سے آگاہی ہوئی نہ سیرت نبویہ کا پاس آیا نہ صحابہ کرام کے پاک طینت کو سوچا۔“ [ص: ۲۷]

تیسرے مقام پر امام بخاری کو وضاع قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے: ”بخاری صاحب نے لعنتی راویوں پر اعتماد کر کے بڑے وثوق سے روایت جڑ دی کہ آپ ﷺ نے اللہ سے معاذ اللہ بغاوت کر کے صریح قرآن کی مخالفت کر دی۔“ [ص: ۷۱ ملخصاً]

امام بخاری بھی راویوں کی عجب گرفت میں آئے کہ نہ قرآن دیکھا نہ آپ ﷺ کی حیثیت عربی کا پاس کیا ذہن بند کر کے روایت ٹانگ دی۔ ایک جگہ امام بخاری کو مشرک قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے ”کسی لعنتی راوی نے بخاری کو شرک کی پٹی پڑھائی ہے کہ ہوش وارفتہ ہو کر امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کر دیا ہے کیا اب بھی بخاری کی روایت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ امام بخاری پر صحابہ دشمنی کا الزام عائد کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”امام بخاری صحابہ کرام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔“ [ص: ۵۴]

یہ چند ہفوات تھے جو امام بخاری کے متعلق مؤلف کے قلم سے صادر ہوئے ہیں۔ تفصیلی جائزہ تو ہم اس بارہ میں مستقل تالیف میں لے رہے ہیں۔ یہاں مختصر عرض ہے کہ تمام ائمہ اکابر جن میں ائمہ احناف بھی شامل ہیں کا امام بخاری کی ثقاہت، عدالت، حفظ، ضبط اور اتقان پر اجماع اور اتفاق ہے آج تک کسی ایک مسلمہ امام نے امام

جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح
بالقطع وانها متواتر ان الى مصنفها وانه كل من
يهون امرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل
المومنين۔ [حجة الله، ص: ۱۳۴، ج: ۱]

”تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم میں جو بھی حدیث
مرفوع متصل ہے بلاشبہ وہ قطعاً صحیح ہے اور یہ دونوں کتابیں
اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں جو شخص بھی ان کے امر کی توہین
کرتا ہے وہ بدعتی ہے جو مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی
دوسرے راستے کی پیروی کرتا ہے۔“

بلاشبہ حضرت شاہ صاحب نے درست کہا ہے موصوف نے صحیح
بخاری کی احادیث کو بلا دلیل نشانہ بنا کر مومنوں کے راستہ کے علاوہ
دوسروں کے راستہ کے پیروی کی ہے کیوں کہ تمام مسلمانوں کا صحیح
بخاری کی صحت پر اتفاق ہے۔



شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کی ہمیشہ کا انتقال

مولانا محمد علی جانباز صاحب کی ہمیشہ اور ناظم جامعہ رحمانیہ قاری
عبدالرحمن صاحب کی پھوپھی صاحبہ ۲۴ دسمبر ۲۰۰۷ء بروز پیر کو انتقال
فرما گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ نیک سیرت اور شب زندہ دار خاتون تھیں۔ قارئین کرام
مرحومہ کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔

[حافظ محمد اشتیاق، مدرس جامعہ رحمانیہ (ابراہیمیہ)]

محمد اکبر بھٹی کے بہنوئی کی وفات

ادارہ الاعتصام کے رفیق محترم محمد اکبر بھٹی صاحب کے بہنوئی
۵ جنوری ۲۰۰۸ء کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اراکین ادارہ مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں اور جناب
بھٹی صاحب کے غم میں شریک ہیں۔ [ادارہ]

بخاری کی ثقاہت اور عدالت کو چیلنج نہیں کیا ہاں البتہ منکرین حدیث اور
وہ بھی زیادہ تر برصغیر کے امام بخاری کے بارہ میں بکواس بکتے رہے
ہیں۔ مؤلف موصوف نے بھی یہ تمام باتیں ان ہی منکرین سے سرقہ
کر کے اپنی کتاب میں داخل کی ہیں۔ مسلمانوں میں آج بھی فن
حدیث میں امام بخاری کو اتھارٹی سمجھا جاتا ہے اور اس فن حدیث میں
ان کی اتھارٹی کو چیلنج کرنا ممکن نہیں۔

امام بخاری کے اتنے فضائل ہیں کہ ان کی سیرت مبارکہ پر دنیا
بھر کی معروف اور زندہ زبانوں میں درجنوں کتب تحریر ہوئی ہیں اور
ہورہی ہیں جو ان کی عظمت، ثقاہت اور عدالت کا بین اعتراف ہے۔
امام ابن خزیمہ ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ما رأیت تحت اديم السماء اعلم بحديث رسول
الله ولا احفظ له من البخاری۔

[تہذیب، ص: ۵۲، ج: ۹]

”میں نے آسمان کی چھت کے نیچے کوئی شخص نہیں دیکھا جو

امام بخاری سے حدیث رسول کا زیادہ عالم اور حافظ ہو۔“

امام الانمہ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اے اصحاب الحدیث
کی جماعت اس نو جوان (بخاری) سے حدیث لکھا کرو اگر یہ حسن
بصری کے زمانہ میں ہوتے تو تب بھی لوگ اس کی حدیث دانی اور فتنہ
میں معرفت اور مہارت کی بنا پر اس کی طرف محتاج ہوتے۔ [ایضاً]

امام مسندی نے شاید اسی طرح کے حواس باختہ لچر زبان لوگوں
کے بارہ میں فرمایا تھا۔ امام بخاری امام ہیں جو شخص ان کو امام نہیں مانتا
اسے متہم قرار دو۔ [ایضاً]

بلاشبہ اس نام نہاد شیخ الحدیث کے ہفوات سے امام بخاری کی
عظمت و ثقاہت پر تو کوئی حرف نہیں آئے گا۔ البتہ صحیح احادیث کی
تفہیم اور تکذیب کی وجہ سے ایسا شخص مسلمانوں کے ہاں ضرور متہم
قرار پائے گا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

امام الصحيحان فقد اتفق المحدثون على ان

صحیحین میں غنائے جاریتین کی روایت

اہل اشراق کے جواب کا جائزہ

ابوالہد رارشا دلحق اثری، فیصل آباد

متعارف کروایا ہے اور اس کے انھوں نے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں اور اس پر مستقل کتا میں لکھی ہیں۔ ان اصول و ضوابط سے بے نیاز ہو کر حدیث میں اس قسم کے جملہ کو محض اپنی پسند و ناپسند کی بنیاد پر مدرج قرار دینا اصول پسندی کی بجائے ہوس ناک کا نتیجہ ہے۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہماری اس وضاحت کے باوجود اہل اشراق بڑی دیدہ وری سے فرماتے ہیں:

”اگر کوئی راوی غلطی کی بنا پر روایت کے متن میں کوئی ایسی بات شامل کر دے جسے وہ اپنے خیال میں اصل روایت کا حصہ سمجھتا ہے..... ایسی صورت میں نہ تو یہ طریقہ درست ہوگا کہ محض اس کی تصریح کو دیکھتے ہوئے ان قرائن و شواہد کو نظر انداز کر دیا جائے جو اس کے بیان کردہ اضافے کے ”مدرج“ ہونے پر دلالت کر رہے ہیں اور نہ ایسا کرنا ہی جائز ہوگا کہ اس کی زیادت کو رد کرتے ہوئے خود راوی کے صدق و عدالت اور دیانت داری پر سوال اٹھا دیا جائے۔ اپنے حالیہ مضمون میں مولانا محترم نے اس بات کے جواب میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا جس سے یہ اخذ کرنا غالباً غلط نہیں ہوگا کہ انھوں نے ہماری گزارش سے اتفاق فرمالیا ہے۔“ [اشراق ص: ۴۷]

ہم ان کے اس فیصلے کو انسانی سہو و نسیان پر محمول کریں یا اہل اشراق کی غلطی اور خطا کا شاخسانہ قرار دیں۔ حیرت ہے کہ اہل اشراق نے ہچکچاہٹ میں اسی شمارہ میں شائع کیا۔ اور اسی شمارہ کے صفحہ نمبر ۳۵ پر اس جملہ کے ”مدرج“ ہونے کے دعویٰ کا کافی وثانی جواب موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود بڑی دیدہ وری سے فرمایا جاتا ہے کہ ”مولانا محترم نے اس کے جواب میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔“ سبحان

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت صدیق سے مروی ہے کہ ”عید کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ”دو جاریہ“ نے دف بجائی اور گانا گایا اور وہ دونوں پیشہ ور مغنیہ نہ تھیں۔“ اس حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں ارباب اشراق کا اصرار ہے کہ یہ غلطی سے راوی کا تصرف ہے حضرت عائشہ کا یہ فرمودہ نہیں۔ ایک عرصہ سے یہ بحث الاعتصام، محدث اور اشراق کے قارئین کرام کی نظر سے گزر رہی ہے۔ اشراق کی جلد نمبر ۱۹ شمارہ نمبر ۶ ماہ جون ۲۰۰۷ء کے شمارہ میں اسی موضوع پر پھر خامہ فرسائی فرمائی گئی ہے۔ بلکہ ان کے موقف کے جواب میں جو معروضات ہم نے پیش کی تھیں انہیں بھی اسی شمارہ میں اپنے روایتی انداز کے مطابق شائع کر دیا ہے جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ہمارے جواب الجواب میں جو کچھ انھوں نے اب ارشاد فرمایا اس کے بارے میں ہم اپنی گزارشات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں۔

روایت میں راوی کا تصرف:

ارباب اشراق اس بات پر مصر ہیں کہ ”صحیحین میں“ قتالت: ولیستا بمغنیتین“ کہ ام المؤمنین نے فرمایا گانا گانے والی دونوں جاریہ پیشہ ور مغنیہ نہیں تھیں۔ یہ جملہ ابواسامہ حماد بن اسامہ نے اپنی طرف سے بر بنائے وہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔“ اس کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کی تفصیل بحمد اللہ ”الاعتصام“ میں گزر چکی ہے۔ علی وجہ التسلیم ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ بلاشبہ کسی موقع پر راوی غلطی سے کوئی جملہ روایت میں شامل کر دیتا ہے مگر محدثین کرام نے اس نوعیت کی روایت کو مدرج کی اصطلاح سے

قارئین کرام سے معذرت کے ساتھ! لیجیے ہم اپنی بات دوبارہ عرض کیے دیتے ہیں:

ہمیں تسلیم ہے کہ ذخیرہ حدیث میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ محدثین نے اس نوعیت کی روایات کو مدرج کی اصطلاح سے متعارف کروایا ہے، اور ادراج کے ثبوت کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں اور اس نوعیت کی روایات کو مستقل کتابوں میں جمع کر کے ایسی روایات کی نشان دہی کی ہے۔ افسوس ہے کہ ان ضوابط سے مخرف ہو کر بلا دلیل محض اپنے فکر کی ہموائی میں (نہیں بلکہ مخالفت میں) کسی جملہ کو مدرج قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے۔ محترم جناب عمار خاں صاحب ناصر جو اس بحث میں ”اشراق“ کے مدد و معاون بنے ہیں اور ماشاء اللہ علمی نکات سے اسے سہارا دے رہے ہیں۔ انہی کے جد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز صفر صاحب رقم طراز ہیں:

”محدثین کرام کا ضابطہ ہے کہ یہ جملہ حدیث کے ساتھ ہو تو وہ متصل ہی مانا جائے گا اور محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور ادراج کے اثبات کے لیے محدثین نے جو قواعد بیان کیے ہیں، وہ یہ ہیں کہ مدرج حصہ کسی دوسری روایت میں الگ سے آیا ہو، یا راوی صراحت سے بیان کرے کہ یہ مدرج ہے، یا اطلاع پانے والے اماموں میں سے کوئی اس کی تصریح کرے یا اس قول کا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہونا محال ہو۔“ [تسکین الصدور، ص: ۱۸۰]

مولانا صفر صاحب نے جو کچھ فرمایا، اصول حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس اصول کی روشنی میں کیا یہ حصہ کسی دوسری روایت میں الگ طور پر آیا ہے؟ قطعاً نہیں۔ کسی راوی یا محدث نے تصریح کی ہے کہ یہ فلاں راوی کی غلطی سے حدیث میں درج ہو گیا ہے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ گیارہ سو سال سے تمام محدثین اور اہل علم اسے صحیح تسلیم کر کے اس سے استدلال کرتے رہے۔ مگر اب اہل اشراق پر یہ راز فاش ہوا ہے کہ یہ تو راوی کی غلطی سے حدیث میں درج ہو گیا۔

انصاف شرط ہے کہ اتنی وضاحت کے باوجود یہ کہنا کہ ”مولانا محترم نے اس بات کے جواب میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا“ حقیقت سے

اہل اشراق یہ تو نہ کر سکے اور نہ ان شاء اللہ کر ہی سکیں گے کہ یہ جملہ ”مدرج“ کے طور پر علیحدہ فلاں کتاب میں بیان ہوا ہے یا فلاں محدث نے اس کے مدرج ہونے کی تصریح کی ہے۔ محض اپنی ناپسندیدگی کی بنا پر اسے ”مدرج“ قرار دینا علم کی کوئی خدمت نہیں۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہے۔ بعض حضرات نے صحیحین کی روایات کا تحقیق و تنقیح کی چھانی میں متنبہ کیا۔ مگر اہل اشراق کے علاوہ آج تک کسی اہل علم نے اس پر نقد نہیں کیا۔ گویا اس روایت کی صحت پر پوری امت کا اتفاق ہے مگر اہل اشراق اس سے اپنے خاص مزاج کی بنا پر متفق نہیں۔ ہمیں ان کی اس ادا اور رائے پر قطعاً تعجب نہیں۔ وہ بہت سے اجماعی مسائل میں امت مسلمہ سے متفق نہیں۔ اگر وہ زیر بحث متفق علیہ روایت پر اپنے نقطہ نظر کی بنا پر تنقید کرتے ہیں تو اس میں ہمارے لیے حیرت کی کوئی بات نہیں۔ صحیح کی اس روایت کے بارے میں کہا گیا تھا کہ ”کسی حدیث کی صحت و ضعف کو طے کرنے کا معیار نقد روایت کے اصول ہیں یا ائمہ فن کے اقوال؟“ آخر ائمہ فن کس بنیاد پر کسی روایت کی صحت و ضعف کا فیصلہ فرماتے ہیں؟ اگر ان کے فیصلوں کی بنیاد وحی والہام کی بجائے دلائل و شواہد پر ہوتی ہے تو دلائل کی روشنی میں ان کی رائے سے اختلاف کیوں نہیں کیا جاسکتا..... ابن الصباغ نے کہا ہے کہ اگر راوی اضافہ بیان کرے، جب کہ اس کے بغیر روایت کرنے والے راوی ایک ایسی جماعت ہوں جس کا وہم میں مبتلا ہونا جا بعید از قیاس ہو تو زیادت ناقابل اعتبار قرار پائے گی ابن السمعانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ ہم نے اسی اصول پر ہشام کی روایت میں ابواسامہ کے اضافہ کردہ جملے ”قالت ولیستا بمغنیبتین“ کو ابواسامہ کا وہم قرار دیا ہے۔“ [اشراق، ص: ۳۳، ستمبر ۲۰۰۶ء]

زیادت ثقہ کا حکم:

ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ محدثین کا قطعاً طے شدہ اصول نہیں۔ علامہ ابن الصباغ اور علامہ ابن السمعانی کی رائے ہے۔ اس کے

برعکس جمہور محدثین اور فقہاء مطلقاً ثقہ کی زیادت کو قبول کرتے ہیں بلکہ بعض نے تو اس پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے کہ ثقہ کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے۔ جب کہ ائمہ حدیث امام عبدالرحمن بن مہدی، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن مدینی، امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام ابوہاتم، امام نسائی، امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جو زیادت (دوسری روایات) کے منافی ہے اس میں ترجیح کا اعتبار ہے، بایں طور کہ اس کے قبول کرنے سے دوسری روایت کی تردید لازم آتی ہو۔ یعنی اگر وہ زیادت دوسری روایات کے منافی ہے تو مقبول نہیں، اگر منافی نہیں تو وہ مقبول ہے۔ یہ ہے کبار محدثین کرام کا فیصلہ۔ جماعت کے مقابلے میں ایک کی روایت میں خطا کا بلاشبہ احتمال ہے مگر یہ تب ہے جب وہ احفظ اور ثبت نہ ہو اور اس کی زیادتی دوسری روایت کے منافی ہو۔ اسی اصول کے مطابق محدثین نے ابواسامہ کی روایت کو قبول کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جملہ کہ ”وہ دونوں مغنیہ نہیں تھیں“ کسی روایت کے مخالف نہیں۔

اس کے جواب میں اب یہ ارشاد ہوا ہے کہ ”یہ متقدمین محدثین کے اصول کی نہایت ناقص ترجمانی ہے..... کسی زیادت پر وہم کا حکم لگانا اس کے اصل روایت کے منافی ہونے پر منحصر نہیں۔ اگر زیادت کے مبنی بروہم ہونے کے دیگر قرائن و شواہد موجود ہوں تو پھر منافات کا نکتہ غیر اہم ہو جاتا ہے اور اکابر محدثین اس سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی زیادت کو رد کر دیتے ہیں۔ شارح ترمذی، مولانا عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ محدثین کے طرز عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر تم یہ سوال کرو کہ متقدمین محدثین مثلاً امام شافعی، احمد بن حنبل، ابن معین، بخاری، ابوداؤد، ابوحاتم، ابویٰ نسیا بوری، حاکم اور دارقطنی وغیرہ نے ابن مسعود کی حدیث میں ”ثم لا يعود“ کی زیادت کو، عبادہ کی حدیث میں ”فصاعدا“ کی زیادت کو، اور ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث میں ”واذا قرأ فاستوتوا“ کی زیادت کو کیوں قبول نہیں کیا اور انہیں غیر محفوظ کیوں قرار دیا؟ حالاں کہ یہ زیادات اصل حدیث کے منافی نہیں ہیں۔ میں جواب میں کہوں گا کہ

ان محدثین نے ان زیادات کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ ان پر دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔ جیسا کہ انھوں نے اس کو بیان کیا اور واضح کیا ہے۔ انھوں نے محض اس بنا پر ان میں کسی زیادت کو رد نہیں کر دیا کہ اس کا راوی اس کو نقل کرنے میں متفرد ہے۔“ [اشراق، ص: ۵۳، ۵۴۔ تحفۃ الاحوذی، ص: ۸۵، ج: ۲]

غور فرمایا آپ نے کہ اہل اشراق نے جس طمطراق سے فرمایا تھا کہ ”ہم نے اسی اصول پر ہشام کی روایت میں ابواسامہ کے اضافہ کردہ جملے کو ابواسامہ کا وہم قرار دیا ہے“ وہ اصول کہاں گیا۔ بلکہ اپنے اس جواب الجواب میں انھوں نے کہیں علامہ ابن صباغ اور علامہ ابن سمعانی کا نام تک نہیں لیا چہ جائیکہ وہ اسی کا دفاع کریں۔ بلکہ محدث مبارک پوری رحمہ اللہ کی جس عبارت کو اپنے نئے موقف کی تائید میں نقل کیا ہے اس کے آخری الفاظ بھی اس ”اصول“ کی تردید کر رہے ہیں کہ ”انھوں (محدثین) نے محض اس بنا پر ان میں سے کسی زیادت کو رد نہیں کر دیا کہ اس کا راوی اس کو نقل کرنے میں متفرد ہے“ بتلائے کیا یہ اسی ”اصول“ کی تردید نہیں جسے علامہ ابن صباغ کے حوالے سے نقل کر کے بڑی اصول پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا کہ ”ہم نے اسی اصول کے مطابق ابواسامہ کے اضافے کو وہم قرار دیا تھا۔“

اپنے اس ”اصول“ کی بے اصولی اگر ان پر واضح ہو گئی ہے تو یہ خوش آئند ہے۔ ثقہ کی زیادت کے متعلق محدثین کا جو اصول ہم نے تدریب الراوی سے پیش کیا تھا اس کے بارے میں اہل اشراق کا ارشاد ہے کہ ”یہ محدثین کے اصول کی نہایت ناقص ترجمانی ہے“ پھر بزعیم خویش محدثین کی ترجمانی میں جو موقف ذکر کیا اور اپنی تائید میں محدث مبارک پوری رحمہ اللہ کی تحفۃ الاحوذی سے جو عبارت ذکر کی اس میں بھی گھلایا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ نیوی رحمہ اللہ نے التعلیق الحسن میں فرمایا تھا کہ ”ثقہ کی زیادتی جو اس سے اوٹن یا ایک جماعت کی مخالفت میں ہو خواہ وہ دوسری روایت کے منافی ہو یا منافی نہ ہو شاذ ہے، مقبول نہیں۔ علامہ نیوی رحمہ اللہ کے اسی موقف کی تردید میں شارح

ترمذی، مولانا عبدالرحمن محدث مبارک پوری نے فرمایا کہ شاذ کی یہ تعریف درست نہیں بلکہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ اس زیادت کے وہم پر موجود ہو۔ اسی موقف کی تائید میں انھوں نے فرمایا ہے کہ صحیح بخاری میں بہت سی احادیث ہیں جن میں ثقہ کی زیادت ہے اور وہ روایت کے منافی بھی نہیں۔ وہ زیادت ایک جماعت نے یا اس سے زیادہ ثقہ راوی نے بیان نہیں کی، بعض محدثین نے اس زیادت پر اعتراض کیا ہے مگر محققین نے اس قسم کی زیادت پر اعتراض کرنے والوں کا جواب دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی ان روایات کے جواب میں، جن پر اعتراض کیا گیا ہے، فرمایا ہے کہ قابل اعتراض کچھ ایسی روایات ہیں جن میں ثقہ نے کچھ زائد الفاظ بیان کیے ہیں اور وہ الفاظ ایک جماعت نے یا اس سے زیادہ ثقہ راوی نے بیان نہیں کیے۔ ایسی صورت میں اس روایت کو معلول قرار دینا کوئی مؤثر علت نہیں الا یہ کہ دلائل قویہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ زیادت مدرج ہے۔ اگر ایسی صورت ہو تو یہ مؤثر علت ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۴ (مقدمہ فتح الباری، ص: ۳۶۱) میں ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام دارقطنی نے صحیح بخاری کی حدیث جو ابو غسان عن ابی حازم عن سہل بن سعد سے مروی ہے اور اس میں «انما الاعمال بالخواص» کا اضافہ ہے۔ جسے عبدالعزیز بن ابی حازم، یعقوب بن عبدالرحمن اور سعید الجمحی، ابو حازم سے روایت کرتے ہیں اور یہ جملہ ذکر نہیں کرتے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ابو غسان ثقہ حافظ ہے اس لیے امام بخاری نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس نوعیت کی زیادت کی قبولیت علامہ ابن الترمذی، علامہ ذیلیعی بلکہ علامہ نیوی سے بھی منقول ہے۔ اس کے بعد مولانا مبارک پوری مرحوم نے اصول حدیث کی کتابوں سے شاذ کی تعریف نقل کی ہے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ اور آخر میں وہ بات فرمائی ہے جسے اہل اشراق نے نقل کیا ہے۔ جس سے یہ بات نصف التہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ محدث مبارک پوری رحمہ اللہ نے علامہ نیوی رحمہ اللہ کے جس موقف کی تردید کی، وہ وہی موقف ہے جو قبل ازیں علامہ ابن صباغ کے حوالے

سے اہل اشراق نے ذکر کیا کہ اگر راوی ایسا اضافہ بیان کرے جسے جماعت نے بیان نہیں کیا تو وہ زیادت ناقابل اعتبار ہے۔ اسی بنا پر ابواسامہ کی زیادت کو وہم قرار دیا گیا کہ وہ جماعت کے مقابلے میں تھا اسے بیان کرتے ہیں۔ اس لیے مبارک پوری رحمہ اللہ صاحب کے موقف کو اپنی ہمنوائی قرار دینا اہل اشراق کا کمال ہے۔

رہی یہ بات کہ ”محدثین محض اس بنا پر کسی راوی کی زیادت کو رد نہیں کر دیتے کہ وہ اس کو نقل کرنے میں منفرد ہے بلکہ اس ضمن میں مزید قرائن و شواہد کا تتبع کرتے ہیں..... اور کسی زیادت پر وہم کا حکم لگانا اس کے اصل روایت کے منافی ہونے پر منحصر نہیں۔ اگر زیادات کے مبنی بر وہم ہونے کے دیگر شواہد موجود ہوں تو پھر منافات کا نکتہ غیر اہم ہو جاتا ہے۔ مبارک پوری رحمہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ ابن مسعود کی روایت میں لا یعود کی زیادت، عبادہ کی حدیث میں فصاعدا کی زیادت..... کو، اصل حدیث کے منافی نہ ہونے کے باوجود، قبول نہیں کیا۔ الخ..... [اشراق: ۵۳: ۵۴]

جناب من! ہم نے جماعت کے مقابلے میں ثقہ کی زیادتی کے بارے میں عرض کیا تھا کہ ایسی صورت میں محض جماعت کی روایت کی بنا پر ثقہ کی زیادت کو رد کر دینا کبار محدثین کا اصول نہیں۔ بلکہ ان کے ہاں اس کے ساتھ اصل روایت سے منافات کا ہونا بھی ہے۔ اور ابواسامہ کی زیادت میں اصل روایت سے کوئی مخالفت نہیں۔ اس لیے یہ زیادتی قابل قبول ہے۔ رہے اس کے علاوہ دیگر قرائن و شواہد تو ہم نے اس کی قطعاً نفی نہیں کی، محدث مبارک رحمہ اللہ کے کلام میں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے صحیح بخاری ہی میں اس حوالے سے اشارہ موجود ہے۔ اور محدث مبارک پوری نے بھی یہی بات فرمائی کہ محدثین نے محولہ روایات میں واضح دلائل کی بنا پر ان کی زیادت کو وہم قرار دیا ہے۔ یہ فیصلہ تو بہر حال ائمہ محدثین کا ہے نہ مبارک پوری صاحب کا اور نہ علامہ نیوی کا۔ اہل اشراق اپنے زعم تعقل میں سمجھیں یا نہ سمجھیں یہ بات بہر آئینہ باعث تعجب ہے کہ ابواسامہ کی اس زیادت کے وہم ہونے میں قرائن و شواہد کا انکشاف بھی اہل اشراق پر ہی ہوا، اور قرائن و شواہد

بتلانے والے قرناً بعد قرن اس سے غافل ہی رہے ہیں۔ سبحان اللہ ہمیں حیرت ہوئی کہ فرمایا تو یہ گیا کہ ”اس زیادت کے وہم ہونے میں کم و بیش یقینی قرائن موجود ہیں“ [اشراق، ص: ۵۵] مگر وہ ”یقینی قرائن“ جماعت کے مقابلے میں فرد کی روایت کے علاوہ دوسرا کوئی قرینہ ذکر ہی نہیں کرتے، آخر یہ ”قرائن“ کہاں ہیں؟ کیا محدثین کرام کے ہاں ثقہ کی زیادت کے رد و قبول میں یہی جماعت کی روایت قرینہ ہے یا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ اہل اشراق غور فرمائیں کہ ان ”یقینی قرائن“ کے حوالے سے انھوں نے جو کچھ رقم فرمایا ہے وہ بجز جماعت کے مقابلے میں فرد کی روایت کو رد کرنے کے اور کیا ہے؟ اور کیا ہر زیادت کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ”یہ زیادت تو معنوی اہمیت کے لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں“ اس لیے فرد کی زیادت قبول نہیں، جماعت کی روایت کا ہی اعتبار ہوگا۔ غور فرمائیے پہلے ابن صباغ کے قول کی بنا پر جو موقف اختیار کیا گیا اس سے انحراف فرمایا گیا۔ تقریباً وہی موقف علامہ نیوی نے اختیار کیا تو محدث مبارک پوری رحمہ اللہ نے ان پر تعاقب کیا اور اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ثقہ کی زیادت وہی مردود نہیں جو اصل کے منافی ہو بلکہ اس کے لیے دیگر قرائن و شواہد کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ”قرائن“ تو وہ بجز تفرّد راوی کے بیان نہ کر سکے البتہ بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے یہ ”قرینہ“ بنا لیا کہ ”یہ زیادت معنوی اہمیت کے لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں“ مگر اتنا غور نہ فرمایا کہ اس قرینہ کا تعلق اور مال تو پھر تفرّد راوی ہے، اور ہر زیادت کے بارے میں یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ اس لیے یہ کوئی زائد قرینہ ہی نہیں۔

دور نہ جائیے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ”لا تعد“ کا اضافہ مردود کیوں ہے؟ محدثین بالعموم فرماتے ہیں کہ یہ زیادت سفیان ثوری کا وہم ہے۔ امام ابوحاتم نے فرمایا ہے کہ سفیان ثوری کے علاوہ ایک جماعت اسے عاصم سے بایں لفظ بیان نہیں کرتی۔ بلاشبہ یہ زیادت بھی ”معنوی اہمیت کے لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل

نہیں“ اور اس کو بیان کرنے والے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں جو جہادہ ائمہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود کبار محدثین نے اس زیادت کو قبول نہیں کیا۔ اس کی عدم قبولیت کا قرینہ یہ بھی ہے کہ عاصم سے روایت کرنے والے عبداللہ بن ادریس ہیں اور ان کی کتاب میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع الیدین ص: ۹ میں وضاحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اس لیے اصح اور راجح ہے کہ اہل علم کے نزدیک کتاب کی روایت زیادہ محفوظ ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ ایک مزید ”قرینہ“ جس کی بنا پر اس زیادت کو قبول نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ اہل اشراق دعویٰ تو ”یقینی قرائن“ کا کرتے ہیں مگر ایک قرینہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکے جسے تفرّد راوی کے علاوہ کوئی قرینہ کہا جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس لیے ”یقینی قرائن“ کا یہ دعویٰ محض بروزن بیت ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ [جاری ہے]



انتقال پر ملال

حکیم مولانا سید عبدالخالق مشہدی (مرحوم) ضلع خانیوال کی اہلیہ محترمہ اور حکیم سید آصف مشہدی، قاری سید عارف مشہدی، حکیم سید طارق مشہدی، قاری سید امیر حمزہ، سید عظمت شاہ کی والدہ محترمہ ۱۸ دسمبر ۲۰۰۷ء کو رحلت فرما گئیں، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ بڑی پاکباز خاتون تھیں، وہ سابق امیر جماعت اہل حدیث سید محمد شریف شاہ صاحب گھڑیا لوی رحمہ اللہ کی پوتی اور حکیم مولانا سید عبدالرحمن شاہ صاحب گھڑیا لوی رحمہ اللہ (بھمبرہ کلاں قصور) کی بیٹی تھیں، نماز جنازہ مولانا سید طاہر انور مشہدی نے پڑھائی، دوسرا بڑا جنازہ 102/10-R جہانیاں میں دو بجے ان کے بیٹے قاری سید عارف مشہدی نے پڑھائی۔ احباب جماعت سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

[حکیم سید آصف رحمان مشہدی، دواخانہ حکیم سید عبدالخالق مشہدی

نزد سٹرک ہسپتال جہانیاں بانی پاس خانیوال]

اہمیت صبر

فضل اکبر کا شمیری

علامہ آلوسی صبر کا معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:
(الصبر) حبس النفس علی ما تکره -
ناپسندیدہ کام پر نفس کو روکنا صبر کہلاتا ہے۔

[روح المعانی: ۲/۲۴۸]

صبر کی شرعی تعریف:

امام رازی صبر کی شرعی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:
أما الصبر فهو قهر النفس علی احتمال المکاره فی
ذات اللہ تعالیٰ توطیہا علی تحمل مشاق وتجنب
الجزع - [تفسیر کبیر: ۴/۱۴۴]
”صبر، اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے اپنے نفس کو ناگوار
گزرنے والے امور پر آمادہ کرنا، پر مشقت امور کی ترغیب
دینے اور جزع (فزع) سے رُکنا ہے۔“
علامی آلوسی فرماتے ہیں:

﴿والصبرین فی البأساء والضراء﴾ نصب
علی المدح بتقدیر - أخص، امدح ومیز تینک
عما قبلہ تنبیہاً علی فضیلة الصبر ومزیته علی سائر
الأعمال حتی کأنه لیس من جنس الأولى -
”لفظ ”الصابرین“ (ان دونوں) الفاظ کے مقدر ہونے کی
وجہ سے منصوب ہے۔ من خاص کر ہوتا ہوں۔ میں تعریف
کرتا ہوں اور اس جملہ کو صبر کی فضیلت اور تمام اعمال سے
جداگانہ فضیلت اور حیثیت کی بنا پر گزشتہ کلام سے الگ کیا
ہے۔“ [روح المعانی: ۲/۴۷]

صبر واستقلال فتح ومشکلات کی چابی ہے۔ بنی اسرائیل غلام اور
محموم تھے لیکن صبر اور استقلال کی وجہ سے حاکم ہوئے۔ بنی اسرائیل
جیسی کمزور قوم فرعون جیسی طاقت کے سامنے اس لیے سر بلند ہوئی کہ
اس نے صبر اور ثابت قدمی سے کام لیا اور اس کے نتیجے کے طور پر اللہ
تعالیٰ نے ان کو شام کی بابرکت زمین کی حکومت عطا فرمائی۔ دیکھئے
سورۃ السجدہ آیت نمبر ۲۲۔

آیت بالا نے بنی اسرائیل کی پیشوائی کے دو سبب بیان کیے
ہیں: ایک احکام الہی پر یقین اور دوسرے احکام کی بجا آوری میں صبر
اور ثابت قدمی۔ یہی دو باتیں دنیا کی ہر قوم کی ترقی کا سنگ بنیاد ہیں۔
پہلے ان کے اصول کے صحیح ہونے کا بشدت یقین اور پھر ان اصولوں کی
تفصیل میں ہر قسم کی تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا۔

صبوری	بہر	حال	اولی	بود
کہ	در	ضمن	آن	چند معنی بود
صبوری	ترا	کام	گاری	دہد
زرنج	و	بلا	رستگاری	دہد

صبر کا لغوی معنی:

ابوالحسن اللغوی نے صبر کا معنی یوں بیان کیا ہے:

صبرت نفسی علی ذلك ای حبستها وأصل
الصبر: الحبس -

”صبرت نفسی علی ذلك“ کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے
آپ کو روک رکھا، اور دراصل صبر رُکنے کا نام ہے۔

[محمل اللغة، ص: ۵۴۹]

اقسام صبر:

امام ابو حاتم البستی (المتوفی ۲۵۴ھ) نے صبر کی درج ذیل اقسام بیان فرمائی ہیں:

الصبر علی ضروب ثلاثة، فالصبر عن المعاصی،
والصبر علی الطاعات والصبر عند الشدائد

والمصائب - [روضة العقلاء ونزهة الفضلاء، ص: ۲۷۵]

”صبر کی تین اقسام ہیں: گناہوں سے صبر کرنا، نیکیوں پر صبر کرنا، تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا۔“

امام رازی صبر کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم! أن الصبر ضد بان أحدهما بدنی كتحمل المشاق بالبدن، والثبات عليه، وهو إما بالفعل

كتعطى الأعمال الشاقة أو بالإحتمال كالصبر علی الضرب الشديد، والألم العظيم، والثاني: هو

الصبر النفساني وهو منع النفس عن مقتضيات الشهوة ومشتهيات الطبع - [تفسير كبير: ۱۵۱/۴]

”جان لو! یقیناً صبر کی دو اقسام ہیں: ان میں سے ایک جسمانی ہے، جیسے: جسم سے مشقت والے معاملات برداشت کرنا اور

اُس پر ثابت قدم رہنا۔ اور پھر یہ یا تو فعلی ہوگا جیسے مشکل معاملات کو سرانجام دینا یا احتمالی ہوگا جیسے شدائد و آلام پر صبر

کرنا۔ اور دوسرا نفسانی صبر ہے وہ نفس کو شہوت کے تقاضوں سے اور طبع پسند اشیاء سے روکتا ہے۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

ثم هذا الصبر إن كان صبراً عن شهوة البطن

والفرج سمى عفة - [ایضاً: ۱۵۱/۴]

”پھر یہی صبر اگر پیٹ یا شرم گاہ کی خواہشات سے ہو اس کو پاک دامنی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔“

مزید فرماتے ہیں:

وقد جمع الله تعالى أقسام ذلك وسمى الكل

صبراً، فقال: (الصابرين في البأساء) أي المصيبة

(والضراء) أي الفقر (وحين البأس) أي المحاربة۔

”اللہ تعالیٰ نے (تمام) اقسام کو جمع کر دیا اور ان سب کو صبر

کے نام سے موسوم فرمایا۔ پس ارشاد فرمایا: مصیبت میں صبر

کرنے والے، فقر میں صبر کرنے والے اور جنگ میں صبر

کرنے والے۔“ [ایضاً: ۱۵۲/۴]

مزید تفصیل کے لیے امام موصوف کی تفسیر کبیر (۱۵۲/۲) ملاحظہ

فرمائیے: کیوں کہ تمہید کچھ زیادہ طویل ہوتی جا رہی ہے۔

صبر کا مادہ قرآن کریم میں ۱۰۳ (ایک سو تین) بار ذکر ہوا ہے۔

صبر مذموم کا ذکر قرآن کی ۵ آیات کریمات میں ہے۔ البقرة: ۱۷۵،

الفرقان: ۲۲، حم السجدة: ۲۴، ص: ۴ اور الطور: ۱۴۔ باقی آیتوں میں صبر

محمود کا بیان ہے اور اس کی چار اقسام ہیں:

مصائب پر صبر کرنا جو اختیاری ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام کا آگ پر صبر

کرنا۔ غیر اختیاری ہو جیسے یعقوب علیہ السلام کا بیٹے کے گم ہو جانے پر صبر

کان۔ (باقی اقسام پہلے گزر چکی) (مزید وضاحت کے لیے تفسیر ابن

کثیر، تفسیر خازن، اور ابن قیم الجوزیہ کی مدارج السالکین کے متعلقہ

مقامات دیکھئے۔

قرآن کریم میں صبر کی سولہ (۱۶) وجوہ (معانی) بیان ہوئی ہیں:

①..... صبر کا حکم دینا۔ [آل عمران: ۲۰۰]

②..... صبر کے مقابل کا بیان۔ جیسے:

ولا تستجعل لهم . لا تولوهم الادبار . لا تبطلوا

اعمالكم . فلا تهنوا ولا تحزنوا .

③..... صبر کرنے والوں کی تعریف کرنا۔ [البقرة: ۱۷۷]

④..... اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ۔ [آل عمران: ۱۴۶]

⑤..... اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ۔ [البقرة: ۱۵۳]

⑥..... صبر کی بہتری۔ [النحل: ۱۴۶]

⑦..... بھلے اعمال کی جزا کا ذریعہ۔ [النحل: ۹۴]

⑧..... بے حساب اجر کا سبب۔ [الزمر: ۱۰]

①..... تنگی میں صبر، ②..... تکلیف میں صبر، ③..... مقابلے میں صبر۔

انمل: ۲۷ میں دعوت و تبلیغ پر تین نصیحتیں۔

①..... صبر کریں، ②..... مخالفین کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں، ③..... ان کے مکرو فریب سے تنگ دل نہ ہو۔

اللہ مع الصابرين کا قرآن میں چار بار ذکر ہے۔ البقرة: ۱۵۳، البقرة: ۲۳۹، الانفال: ۴۶، الانفال: ۶۶۔

آل عمران: ۲۰۰ میں کامیابی کے لیے چار باتوں کا حکم ہے۔

①..... اے ایمان والو! ثابت قدم رہو، ②..... ایک دوسرے کو تھامے رکھو، ③..... جہاد کے لیے تیار رہو، ④..... اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

انمل: ۴۱، ۴۲ میں آخرت کے بڑے اجر والوں کی چار صفات کا بیان ہے:

①..... انھوں نے ظلم برداشت کیے، ②..... پھر ہجرت کی، ③..... انھوں نے صبر کیا، ④..... وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے رہے۔ انمل: ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے مستحق لوگوں کی چار صفات کا ذکر ہے:

①..... انھیں دکھ دیا گیا، ②..... پھرت ہجرت کی، ③..... پھر جہاد کیا، ④..... اور صبر کیا۔

سورۃ ص اور سورۃ الانبیاء میں چار صابرا نبیائے کرام کا ذکر ہے:

①..... اسماعیل علیہ السلام، ②..... ادریس علیہ السلام، ③..... ذوالکفل علیہ السلام، ④..... ایوب علیہ السلام

الحج: ۳۵ میں اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے والوں کی چار صفات بیان ہوئی ہیں:

①..... جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔

②..... انھیں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں۔

③..... وہ نماز قائم کرنے والے ہیں۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لیس یوزن لہم ولا یقال لہم لا یغرف لہم غرماً۔

”ان کے اجر و ثواب کو ناپا تو لا نہیں جائے گا بلکہ بغیر حساب کھلا اجر دیا جائے گا۔“ [تفسیر ابن کثیر]

⑨..... اللہ کی جانب سے مطلب بشارت۔ [البقرة: ۱۵۵]

⑩..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا وعدہ۔

[آل عمران: ۱۲۵]

⑪..... اہل صبر پر اولوا العزم کا حکم لگانا۔ [آل عمران: ۱۸۶]

⑫..... صبر کے ذریعہ سے ثواب ایمان اور اعمال صالحہ کا حصول۔ [حم السجدة: ۳۵]

⑬..... آیات الہی سے عبرت اور انتفاع حاصل کرنا صبر والوں کا کام ہے۔ [ابراہیم: ۵]

⑭..... صبر جنت کے دخول اور نجات کے حصول کا سبب ہے۔ [الرعد: ۲۴]

⑮..... امامت دینیہ کے حصول کا سبب صبر ہی ہے۔ [السجدة: ۲۴]

⑯..... مختلف آیاتِ بینات میں صبر کو یقین، ایمان، تقویٰ، توکل، شکر اور رحمت ایسے نیک اعمال سے ملایا گیا ہے جو کہ مقامات ایمانیہ اور اسلامیہ ہیں۔

صبر سے متعلق بعض آیات کے مختصر فوائد:

البقرة: ۵۵ میں آزمائش کے تین طریقوں کا ذکر ہے:

①..... دشمن کے ڈر سے، ②..... بھوک پیاس سے ③..... نقصان سے۔

نیز اس آیت میں صبر کرنے والوں کے لیے تین خوش خبریاں ہیں:

①..... اُن پر اللہ تعالیٰ کی عنایات ہوں گی۔

②..... اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔

③..... یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

البقرة: ۷۷ میں صبر کی تین اصناف بیان ہوئی ہیں:

۵..... جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

العنکبوت: ۵۸، ۵۹ میں عمدہ اجر پانے والوں کی چار صفات بیان ہوئی ہیں:

①..... وہ ایمان لاتے ہیں، ②..... نیک عمل کرتے ہیں۔

③..... صبر کرتے ہیں، ④..... اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں البقرة: ۲۵ میں دشمن کے مقابلہ میں دعا میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں:

①..... صبر کی دعا، ②..... ثابت قدمی کی دعا، ③..... نصرت الہی کی دعا۔

لقمان: ۱۷ میں ہمت کے تین کام ذکر ہوئے ہیں:

①..... نماز قائم کرنا، ②..... امر بالمعروف ونہی عن المنکر ③..... جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا۔

صبر احادیث کی روشنی میں:

ابوقحادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان میں (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے۔ پس ان کو بیان کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا بہترین اعمال ہیں۔ پس ایک آدمی کھڑا ہوا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں میرے گناہ مجھ سے دور کر دیئے جائیں گے؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس (آدمی) سے فرمایا: ہاں! اگر تو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے جب کہ تو صبر کرنے والا اور ثواب کی نیت کرنے والا ہو، آگے کی طرف توجہ کرنے والا ہو، پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے کیا کہا ہے؟ پس اُس نے کہا: مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں کیا میرے گناہ مجھ سے دور کر دیئے جائیں گے؟ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! جب کہ تو صبر کرنے والا ہو، ثواب کی نیت کرنے والا ہو، آگے کی طرف توجہ کرنے والا ہو، پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ مگر قرض (معاف نہیں ہوگا) کیوں کہ جبریل نے یہ بات کہی ہے۔ [صحیح مسلم، کتاب الإمارة]

اس حدیث میں جہاد کرنے والے کی چار صفات ہیں:

①..... وہ صبر کرنے والا ہو

②..... وہ طالب ثواب ہو

③..... متوجہ ہو، پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو

④..... مقروض نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو بچنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ اس کو بچاتا ہے اور جو بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بے نیاز کرتا ہے اور جو صبر کی کوشش کرے، اللہ اسے صبر عطا کرتا ہے اور صبر سے بہتر اور وسیع کسی کو کوئی چیز نہیں ملی۔

[بخاری: ۱۲۶۹ - مسلم: ۱۰۵۳]

آپ ﷺ کے ایک نواسے کی جان کنی کا وقت تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو بلایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

میری بیٹی کو سلام کہو اور میرا پیغام دو کہ اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا ہے اور جو اس نے دیا ہے وہ بھی اس کا ہے۔ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے اسے چاہیے کہ یہ صبر کرے اور اس میں اللہ کے ہاں ثواب کی نیت کرے۔ [بخاری: ۱۲۸۴، مسلم: ۹۲۳]

نبی ﷺ نے فرمایا:

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری اور محبوب (آنکھوں) کی تکلیف میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض میں اسے بہشت عطا کرتا ہوں۔ [بخاری: ۵۶۵۳]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک نبی کا حال بیان کر رہے تھے جسے اس کی قوم نے خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون بھی صاف کر رہا تھا اور کہے جا رہا تھا:

اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیوں کہ یہ جانتے نہیں

ہیں۔ [بخاری: ۳۴۷۷]

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک دن کعبہ کے سائے تلے چادر کا سر ہانا لگا کر لیٹے ہوئے تھے، ہم نے آپ کے پاس شکایت کی اور کہا: کیا ہمارا بدلہ آپ نہیں لیں گے؟ کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ تو جواب دیا: تم سے پہلے لوگوں میں

ایسے مرد بھی تھے جنہیں گرفتار کر کے زمین میں گاڑ دیا جاتا اور پھر آ رہے
سے ان کے جسموں کو سر سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی
کنگھیاں ان کے گوشت و ہڈیوں کے درمیان کھینچی جاتیں۔ یہ بات بھی
انہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین سے نہیں روکتی تھی۔“ [بخاری: ۳۶۱۲]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مومن کا معاملہ بہت عجب ہے کہ اس کے سارے معاملات
اس کے حق میں بہتر ہوتے ہیں اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا
کرتا ہے جو اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو
صبر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتری اور اچھائی ہے۔“

[مسلم: ۲۹۹۹]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ »

”صبر ایک روشنی ہے۔“ [مسلم: ۲۲۳]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک عورت کے پاس سے
گزرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا:
اللہ سے ڈر اور صبر کرو۔ پس اس نے کہا: مجھ سے دور رہو اس لیے کہ
تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے۔ اس نے آپ کو پہچانا
نہیں تھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ تو نبی ﷺ تھے تو وہ نبی ﷺ کے دروازہ
پر آئی تو اس نے وہاں دربانوں کو نہیں پایا۔ اس نے عرض کیا: میں نے
آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: صبر تو وہی ہے جو صدمے کے
آغاز میں کیا جائے۔ [بخاری: ۱۲۸۳ - مسلم: ۹۲۶]

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے
فرمایا: کیا میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟
انہوں نے فرمایا: یہ سیاہ فام عورت نبی ﷺ کے پاس آئی تو اس نے
عرض کیا: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور اس دوان میں، میں تنگی ہو جاتی
ہوں، پس آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے
فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو، اس کے بدلے میں تمہارے لیے جنت ہے
اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں عافیت دے
دے۔ اس نے کہا: میں صبر کروں گی، پھر اس نے کہا: میں دورے کے
وقت تنگی ہو جاتی ہوں لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میں تنگی نہ

ہوا کروں۔ پس آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

[بخاری: ۵۶۵۲ - مسلم: ۲۵۷۶]

نبی کریم ﷺ نے ایک دن مال تقسیم کیا تو ایک بدو کہنے لگا:
اس تقسیم میں انصاف اور اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ یہ بات
آپ ﷺ نے سنی تو چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا:

”اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، انہیں اس سے بھی زیادہ ایذائیں
دی گئیں، مگر انھوں نے صبر کیا۔“ [متفق علیہ]

زبیر بن عدی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے
حجاج کے ظلم کی شکایت کی، انھوں نے فرمایا: اس پر صبر کرو۔ اب جو بھی
وقت آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے
جالو۔ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ [بخاری: ۷۰۶۸]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے
طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انھیں بتایا: یہ ایک عذاب تھا
جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا نازل فرماتا مگر اب اللہ تعالیٰ نے اسے
مومنوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے، اب جو بندہ طاعون کے مرض میں
 مبتلا ہو جائے اور وہ اپنے شہر میں صبر کرتے ہوئے ثواب کی امید سے
ٹھہرا رہے اور اسے یقین ہو کہ اسے وہی پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس
کے مقدر میں لکھ دیا ہے تو اس کے لیے شہید جتنا اجر ہے۔ [متفق علیہ]

ابو یحییٰ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک
آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ مجھے عامل مقرر نہیں
فرمائیں گے جیسے آپ نے فلاں شخص کو عامل مقرر فرمایا ہے؟ آپ نے
فرمایا: یقیناً تم میرے بعد ایسی صورت حال سے دوچار ہو گے کہ
دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، پس تم صبر کرنا، حتیٰ کہ تم مجھے حوض کوثر
پر ملو۔ [متفق علیہ]

ابو ابراہیم عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے اپنے بعض ایام میں، جن میں آپ کا دشمن سے سامنا ہوا،
انتظار فرمایا، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ ان میں کھڑے

ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، لیکن جب دشمن سے آنا سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے! بادلوں کو چلانے والے! فوجوں کو شکست دینے والے! انھیں شکست سے دوچار کر دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ [متفق علیہ]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے پاس میرے اس مومن بندے کے لیے جنت کے سوا کوئی جزا نہیں، جس کی محبوب ترین چیز واپس لے لوں تو وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرے۔ [بخاری: ۶۴۲۴]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، ابو طلحہ باہر تشریف لے گئے تو بچہ فوت ہو گیا، جب ابو طلحہ واپس آئے تو پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ ام سلیم رضی اللہ عنہا، جو بچے کی والدہ تھیں، نے کہا: وہ پہلے سے زیادہ سکون میں ہے۔ پس اس نے سیدنا ابو طلحہ کے سامنے شام کا کھانا رکھا، انھوں نے کھانا کھایا، پھر ام سلیم سے 'قربت' اختیار کی، جب وہ فارغ ہوئے تو انھوں نے کہا: بچے کو دفنا دو۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو یہ واقعہ بتایا، آپ نے فرمایا: کیا تم نے رات کو ہم بستر کی تھی؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان دونوں کے لیے برکت فرما۔ پس ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: اسے اٹھا کر نبی ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ۔ انہوں نے کچھ کھجوریں بھی دے دیں، پس آپ نے فرمایا: کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺ نے انھیں لے لیا اور منہ میں چبایا، پھر وہ اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں ڈال دیں، پھر اس کو گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ [متفق علیہ]

صبر سے متعلق دیگر احادیث کے لیے دیکھئے، صحیح بخاری، باب فضل ابی بکر رضی اللہ عنہ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر باب الدعا علی المشرکین۔ مسلم، کتاب

الجہاد، باب ما لقی النبی ﷺ من المشرکین والمنافقین۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب اسلام عمرو بن عبسہ۔ بخاری، کتاب أحادیث الأنبياء، باب قصة اسلام أبي ذر۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل أبي ذر۔ بخاری، کتاب الإیمان باب من الدین الفرار من الفتن۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب أفضل الناس مؤمن یجہد بنفسه وماله فی سبیل اللہ۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب فضل الجہاد والرباط۔ بخاری، کتاب المرضی، باب ما جاء فی کفارة المرض۔ مسلم، کتاب البر، باب ثواب المؤمن فیما یصیبه من مرض۔ مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة۔ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ إنا بک لمحزونون۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة الصبیان والعیال وتواضعه۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحہ۔ ایضاً باب ما یقال عند المریض المیت۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم ضرب الخدود۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب ما ینهی من الحلق عند المصیبة تعلیقاً۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرفاق، باب قصة اصحاب الاخدود۔

اس مضمون کو ترتیب دینے میں محولہ کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے:

احسن الکلام (تفسیر)، ثلاثیات قرآن وحدیث و رباعیات قرآن وحدیث، علم اور تقویٰ، ریاض الصالحین۔



صحت کے آداب

شیخ عمر فاروق

اعضاء ٹھیک طور پر اپنا کام کرتے رہیں تو صحت بحال رہتی ہے، اگر ان میں نقص پیدا ہو جائے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے، پھر اُسے کڑوی کسلی ادویات کھانی پڑتی ہیں، بیماری میں نہ تو ہم روزمرہ کے معمولات کو سرانجام دے سکتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ہی ٹھیک طور پر ادا کر سکتے ہیں۔

بھو!

آؤ صحت کے اصولوں کو جاننے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا پیارا دین اسلام ہمیں روحانی اور جسمانی دونوں طرح صحت مند، چاق و چوبند، توانا اور تندرست رکھتا ہے۔

(۱)..... نماز۔ روحانی اور جسمانی صحت کی ضامن ہے:

بھو!

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے اور دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے گویا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پاکیزہ اور صاف ستھری روح جسم کو مضبوط اور توانا رکھتی ہے اور ایسا جسم ہی روح کو پھلنے پھولنے دیتا ہے، نماز کو ادا کرنے سے پہلے ہمیں ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

(۱)..... صاف ستھرے جسم و لباس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں، یہ طہارت ہمارے ایمان کو قوت دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”الطَّهْرُ شَطْرُ الْإِيمَانِ“

[ریاض الصالحین، رقم الحدیث: ۲۶]

”طہارت تو جزو ایمان ہے۔“

پیارے بھو! صحت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت بھی ہے اور عظیم امانت بھی، عظیم نعمت اس وجہ سے ہے کہ صحت کے ساتھ زندگی خوش گوار ہو جاتی ہے، کام کاج کرنے کو جی چاہتا ہے، اگر تم طالب علم ہو تو پڑھنے لکھنے سے خوشی ہوتی ہے، کھیلنے کودنے میں مزا آتا ہے اور سب سے بڑھ کر تم نماز، روزے کو اچھی طرح ادا کر سکتے ہو اور جس طرح انسان پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اُس کے احکام کو پہچانے اور اُس کی بندگی کا حق ادا کرے، اسی طرح اپنی ذات کا یہ فرض ہے کہ اُس کی نگہداشت کرے اور اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ جسم و جان کی امانت کو اُس کے احکام کی پیروی میں سنت نبوی کے مطابق کرے۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ اس کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتے ہیں، وہ کیا ہیں؟ ”الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ“ یعنی صحت اور فراغت کے لمحات۔

صحت کی تعریف کیا ہے؟

بھو!

اچھی صحت کی تعریف یہ ہے کہ جسم کا ہر حصہ جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے وہ ٹھیک ٹھیک کام کرے، مثلاً دل و دماغ سے ہم سوچ بچار کرتے ہیں، ان سے علم کو حاصل کرنے اور اُسے یاد رکھنے میں مدد ملتی ہے، آنکھیں دیکھنے کے لیے ہیں، جن سے پڑھنے لکھنے میں فائدہ پہنچتا ہے، ہاتھ پاؤں کام کاج میں مدد دیتے ہیں، دانت غذا کو چبانے میں معاون بنتے ہیں اور معدہ و جگر غذا کو ہضم کرتا ہے، جس سے ہمارے جسم میں خون بنتا ہے اور ہم صحت مند اور تندرست رہتے ہیں۔ یہ تمام

قرآن حکیم میں رب کریم کا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے:
﴿وَيَبَايِكَ فَطَهَّرَ﴾ [المدر: ۷۴/۴]

”(اے نبی ﷺ) اپنے کپڑے پاک و صاف رکھیے۔“
اور یہی حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔
ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ النَّوَابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو
پسند فرماتا ہے۔“ [البقرة: ۲۲۲/۲]

جب ہم عاجزی اور انکساری سے سنت نبوی کے مطابق نماز
ادا کرتے ہیں تو ایسی نماز ہمیں برائیوں اور بے حیائیوں سے محفوظ
رکھتی ہے۔

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

[العنکبوت: ۲۹/۴۵]

”بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

تم پوچھو گے کہ نماز برائیوں سے کیسے روکتی ہے؟ دیکھو نماز میں
شروع سے آخر تک بندہ مومن اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے ﴿إِنَّ
الْمُصَلِّيَّ يُنَاجِي رَبَّهُ﴾ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ نمازی
اپنے رب تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے تو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ
اپنے رب کو کیا سنا رہا ہے اور وہاں سے کیا جواب مل رہا ہے مثلاً جب
ہم ﴿اهدنا الصراط المستقیم﴾ کہتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں سیدھے
راستے پر چلا تو رب کریم اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو روشنی عطا
فرماتا ہے اور ہم بری اور بے حیائی کی باتوں سے بچ نکلتے ہیں۔ ارشاد
ہوتا ہے:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
النُّورِ﴾ [البقرة: ۲۰۷/۲]

”جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ اُن
کو (کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔“

بجوا!

طہارت اور پاکیزگی نہ صرف جسم و لباس کی ہے بلکہ دل و دماغ
کی بھی ہے۔ اگر جسم و لباس گندگی اور نجاست سے صاف ہوں تو دل
و دماغ کفر و شرک اور حسد و بغض ایسی بیماریوں سے پاکیزہ اور مصطفیٰ
ہوں۔ پھر ہمارا ماحول، ہماری بود و باش، ہمارا رہنا سہنا، ہمارے
مکانات اور گلی کوچے صفائی اور نفاست کا پتا دے رہے ہوں گویا وہ
ایسے خوشنما باغ کی طرح ہوں جو پھولوں سے مہک رہا ہے۔

(ب)..... ہر نماز سے پہلے وضو لازمی ہے۔ وضو سے چہرہ،
منہ، ناک، ہاتھوں اور پاؤں کی مکمل صفائی ہو جاتی ہے، آنکھوں کا گرد
وغبار دھل جاتا ہے، سر اور کانوں کے مسح سے دوران خون اعتدال پر
آ جاتا ہے۔

(ج)..... نمازی اپنے رب سے باتیں کرتا ہے اُس کی حمد و ثنا
بیان کرتا ہے، اُس سے ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے، اُس کی روح و جد
میں آ جاتی ہے، اُسے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے، اُس کا دل
خوشیوں سے معمور ہو جاتا ہے، اور یہی اطمینان اور خوشی اُس کی صحت کا
باعث ہوتی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مسلمان جو باقاعدگی سے
نماز ادا کرتے ہیں اُن کی صحت اُن لوگوں سے زیادہ اچھی ہوتی ہے جو
اس سے غفلت برتتے ہیں۔

(د)..... وضو کرتے وقت دانتوں کی صفائی کی تاکید آئی ہے اور
اس سے نماز کے اجر و ثواب میں اضافہ کی خوش خبری دی گئی ہے۔

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر اس بات کے بوجھ بننے کا خطرہ نہ
ہوتا، تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔“

[بخاری و مسلم، المتبحر الرابع، ابواب الطہارة]

بجوا!

کسی دندان ساز کے یہاں تمہیں علاج معالجے کی غرض سے
جانے کا اتفاق ہوا ہو تو وہاں سختی پر لکھا ہوا یہ جملہ نظر پڑا ہوگا۔
”دانت اچھے تو صحت اچھی۔“

ہیں، ہمارے مولا و مالک نے اپنے رسولوں کو حکم دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾

[المؤمنون: ۵۱/۲۳]

”اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔“

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ انسان کو نیک اعمال کی توفیق اُسی وقت ملتی ہے، جب وہ حلال چیزیں کھاتا ہے، ”رزقِ حلال“ وہ ہوتا ہے جو جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے مثلاً وہ چوری اور رشوت کا مال نہ ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ رزق ایسا ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حلال کیا ہے مثلاً شراب حرام ہے اور پانی حلال ہے، رزقِ حلال ہی ہماری صحت کو بحال رکھتا ہے اور ہماری زندگی صاف ستھری ہو جاتی ہے۔ اور اسی بات کی تاکید تمام لوگوں کو کی گئی ہے، حکم ہوتا ہے:

﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ﴾

”اور کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاکیزہ رزق اور اُسے کھا کر سرکشی نہ کرو

(احکام الہی کو نہ توڑو۔)“ [طہ: ۸۱/۲۰]

(۳)..... کھانے میں اعتدال اور میانہ روی:

بجھو!

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں اعتدال اور میانہ روی کی بڑی اہمیت ہے، کھانے پینے میں جہاں حلال اور حرام کی احتیاط ہے وہاں اس بات کو بھی سامنے رکھو کہ غذا بھوک لگنے پر کھاؤ اور چپا چپا کر کھاؤ اور پیٹ بھر کر نہ کھاؤ، اس طرح معدہ خوراک کو اچھی طرح ہضم کر لیتا ہے اور انسان ہلکا پھلکا رہتا ہے اور وہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ رب کریم نے کتنی اچھی نصیحت فرمائی ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: ۳۱/۷]

”(رزقِ حلال) کھاؤ، پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے

بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

”اسراف“ کے معنی، فضول خرچی، حد سے بڑھ جانا، اسی طرح ضرورت کے مطابق کھانا پینا اور پیٹ کو ہوا اور پانی کے لیے جگہ مہیا

اچھے دانت اچھی صحت کا وہ سنہری اصول ہے جیسے طیب اعظم خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے آج سے چودہ سو برس قبل اپنی امت کو نہ صرف اس بات کی تاکید کی بلکہ اس پر عمل پیرا ہو کر اچھی صحت کی عمدہ مثال قائم فرمادی، رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ پانچوں نمازوں کے لیے وضو کرتے وقت بلکہ آدھی رات کے بعد نماز تہجد کے لیے جب بیدار ہوتے اور آپ ﷺ وضو کرتے تو اُس وقت بھی مسواک ضرور کیا کرتے تھے۔

[مشکوٰۃ جلد اول، رقم الحدیث: ۳۴۱]

یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کے آخری عمر تک تمام دانت مضبوط، محفوظ اور موتیوں کی طرح چمک دار تھے اور کوئی دانت گرا نہ تھا، سوائے ایک کے جو ایک جنگ میں ضرب لگنے سے ٹوٹ گیا تھا۔

بجھو!

ہمارے کھانے پینے کا راستہ ہمارا منہ ہے جس میں دانت اور زبان کی بڑی اہمیت ہے، ہمارے جسم میں گوشت پوست، طاقت و توانائی، ہڈیوں کی بڑھتی اور مضبوطی کا انحصار خوراک کے اچھی طرح ہضم ہونے پر ہے، اگر دانت مضبوط ہوں گے اور منہ صاف رہے گا تو منہ کے ذریعے صاف ستھری غذا معدہ میں پہنچ کر جزو بدن ہوگی اور اُس سے صالح خون پیدا ہوگا جو رگوں میں گردش کر کے ہمیں چاق و چوبند رکھے گا، اس کے لیے مسواک باقاعدگی سے کرنا ہی مفید رہتا ہے۔

(ذ)..... صبح سویرے اٹھنا بھی صحت کے لیے ضروری ہے، ایک نمازی کے لیے یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ علی الصبح اٹھ کر باجماعت نماز ادا کرے، وہ جب گھر سے وضو کر کے اور سنت نماز گھر ہی ادا کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے تو صاف فضا کی آکسیجن اس کے جسم میں داخل ہوتی ہے، اس سے اُس کی صحت اچھی رہتی ہے۔

(۲)..... کھانے پینے میں احتیاط:

بجھو!

اگر ”طہارت“ ہمارے ظاہر اور باطن کو صاف ستھرا بناتی ہے، تو پاکیزہ اور حلال خوراک کے بھی ہمارے جسم پر اثرات مرتب ہوتے

کرنا ہے۔

(۴)..... قیمتی غذا اور دوا:

بچو!

صحت کو قائم رکھنے کے لیے قرآن نے بڑی قیمتی دوا اور غذا کا ذکر کیا ہے:

﴿يَخْرُجُ مِنْ مَبْطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ

لِلنَّاسِ﴾ [النحل: ۶۹/۱۶]

”(اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت سے) شہد کی مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

صبح کے وقت نہار منہ ایک گلاس پانی میں ایک چمچ شہد ڈال کر پیو موسم سرما میں نیم گرم پانی اور موسم گرما میں ٹھنڈا پانی استعمال کرو، اس سے صحت برقرار رہتی ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ شہد خالص ہونا چاہیے شیرانہ ہو۔

(۵)..... بہترین شفا:

بچو!

قرآن حکیم مسلمانوں کے روحانی اور جسمانی دونوں امراض کے لیے بہترین شفا ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر

شفا اور رحمت ہے۔“ [بنی اسرائیل: ۸۲/۱۷]

قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہو جانے سے ہماری روح تندرست اور توانا ہوجاتی ہے جس کے اثرات جسم پر پڑتے ہیں ویسے بھی حدیث مبارک میں ”سورة الفاتحة“ کو رسول اللہ ﷺ نے ہر بیماری کے لیے شفا بتایا ہے۔ یہ رب کریم کا ہمارے اوپر کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں قرآن جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔ الحمد للہ حمد اکثیرا

صحت کے لیے متفرق باتیں:

①..... تازہ ہوا اور روشنی، تازہ ہوا میں گہرے سانس لینا

②..... صبح کی سیر اور ورزش، دوڑنا سب سے اچھی ورزش ہے

③..... تازہ موسمی پھلوں اور سبزیوں کا استعمال

④..... دن میں ایک دفعہ غسل کرنا اور صاف کپڑے اوڑھنا

⑤..... وقت پر سونا اور جاگنا

⑥..... مسکراتے ہوئے چہرے سے دوسروں کو ملنا

⑦..... سادہ خوراک کھانا اور بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانا

⑧..... غذا زود ہضم ہو یعنی ایسی غذا استعمال کرو جو جلد ہضم

ہو جائے، نہ زیادہ گرم اور نہ ہی زیادہ ٹھنڈی غذا کا استعمال کرنا۔

⑨..... رنج و فکر سے دور رہنا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا

بچو!

صحت کی قدر کرو، پانچ وقت نماز پڑھو، والدین کا ادب کرو، اپنی تعلیم میں پوری طرح دلچسپی لو، بری مجلس اور برے دوستوں سے الگ رہو، بڑوں کی عزت بجا لاؤ اور چھوٹوں پر شفقت کرو۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو، اسی میں تمہاری صحت کا راز ہے۔

آخر میں یہ دعایا ذکر لو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِیْفَةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخَلْقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ۔

”اے اللہ! میں آپ سے صحت، عفت (پاک دامنی) امانت

داری حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی رہنے کی بھیک مانگتا ہوں۔“

❀.....❀❀.....❀❀

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ کی والدہ صاحبہ کی وفات

مولانا داؤد مرحوم سمندری والوں کی بیوہ، ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، پروفیسر ساجد اسد اللہ اور ماسٹر فائق نصر اللہ کی والدہ ۲۹ دسمبر ۲۰۰۷ء کو وفات پا گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ بڑی نیک اور صالحہ خاتون تھیں۔ قارئین سے مرحومہ کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ [محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد]

اُستاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ کی یاد میں

حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی

خاموش ہوتا ہے تو قرآن وسنت کے حکم سے خاموش ہوتا ہے اگر اس پر کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے تو بحث وتحیص سے رک جاتا ہے اور اسے عالم کے پاس بھیج دیتا ہے۔ مذکورہ بالا اوصاف سے اللہ تعالیٰ نے شیخ کو بھی نوازا تھا۔ آپ بیک وقت مدرس، محقق، مؤرخ، مبصر وفقار، جامع المعقول والمعقول اور قادر الکلام بھی تھے۔ اب آئیے ان کے ابتدائی حالات کی طرف یہ وہ معلومات ہیں جو میں دورانِ تعلیم مختلف مواقع پر خود ان سے پوچھ کر آہستہ آہستہ محفوظ کرتا رہا ہوں۔

جائے پیدائش، مختصر خاندانی حالات:

یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو منڈی عثمان والا ضلع قصور میں جماعت اہل حدیث کے بے باک خطیب، مناظر اور سیمائی شخصیت کے مالک، احرار کے سرگرم رکن مولانا عبدالرحیم کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ مولانا عبدالرحیم نے جامعہ محمدیہ لکھو کے ضلع فیروز پور (بھارت) میں دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ جب پہلی مرتبہ ۱۹۲۹ء میں مولانا محمد علی لکھوی رحمۃ اللہ نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو مولانا عبدالرحیم بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ جہاں انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں صحیحین (مسلم، بخاری شریف) پڑھیں۔ فراغت کے بعد واپس آ کر منڈی عثمان والا روڈے کی مرکزی مسجد میں امامت وخطابت اور تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ پھر کھڑیاں خاص اور پتوکی میں بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا اور پتوکی ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ مولانا عبدالحلیم نے ناظرہ قرآن پاک وغیرہ تو گھر میں والد گرامی سے پڑھا۔ مڈل تک عثمان والا میں پھر ۱۹۵۳ء میں کھڑیاں خاص سے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا۔ شیخ صاحب کی ذہانت کی وجہ سے سکول کے

زندگی میں بعض یادیں صفحہ قرطاس پر لاتے ہوئے بڑی مشکل پیش آتی ہے ایسی ہی کیفیت اس وقت میرے دل و دماغ پر بھی طاری ہے۔ ذہن اور جسم اس قدر تھکے ہوئے ہیں کہ اعصاب شل ہیں۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم کی محبت وشفقت اور خلوص انتہائی قیمتی اثاثہ تھا۔ آپ کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتے، آنکھیں پر نم، خیالات منتشر ہیں۔ بے چینی وپریشانی میں چند صفحات لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں آپ کے بارے میں اصحاب علم وفضل، نامور تلامذہ اور جماعت کی ادبی، علمی شخصیات آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھیں گی۔ کیوں کہ سلف نے ایک حقیقی عالم کے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہ استاذ گرامی میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ مثال کے طور پر ابن مبارک رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا کہ علماء کی پہچان کی کوئی نشانی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرے، اپنے علم اور عمل کو تھوڑا سمجھے، دوسروں کے علم میں رغبت کرے، حق جس طرف سے بھی اس کے پاس آتا ہو اسے قبول کرے اور جہاں بھی اسے علم ملے اسے حاصل کرے، اسی طرح حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ نے فقیہ کے بارے میں فرمایا:

”انما الفقیہ الذی انطلقته الخشیة واسکتہ الخشیة، ان قال قال بکتاب اللہ والسنة وان سکت سکت بالکتاب والسنة، وان اشتبه علیہ وقف عنده وردالی عالمہ۔“
”یقیناً فقیہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا خوف گویا کرے اور اللہ تعالیٰ کا خوف خاموش کر دے۔“

اگر وہ بات کرتا ہے تو قرآن وسنت کی بات کرتا ہے اور اگر

امامت و خطابت اور تدریسی سرگرمیاں:

جامعہ محمدیہ اوکاڑا سے فراغت کے بعد شام کوٹ ضلع قصور کی مسجد غربی اہل حدیث میں بطور خطیب و مدرس ذمہ داری کا آغاز کیا۔ پھر ۱۹۶۵ء کو شام کوٹ نو میں مسجد فردوس اہل حدیث کا سنگ بنیاد رکھا جہاں ۱۹۷۱ء تک قرآن و سنت کی تعلیم دی۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑا میں فاضل عربی کی تعلیم کی غرض سے ۱۹۷۲ء میں مولانا معین الدین لکھوی انھیں جامعہ محمدیہ میں لے آئے۔ جامعہ کے طلبہ پر آپ کی محنت سے فاضل عربی کے امتحان میں سو فیصد طلبہ کامیابی حاصل کرتے رہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ امجد چھتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جامعہ محمدیہ اوکاڑا سے جانے کے بعد آپ نے صحیح بخاری شریف کی تدریس کی ذمہ داری ۱۹۸۰ء میں قبول فرمائی جسے آپ نے تادم آخر نبھایا۔ اسی طرح خواتین کے مدرسہ تعلیم الصالحات اوکاڑا میں ایک عرصہ تک صحیح بخاری شریف پڑھاتے رہے۔ آخر اپنی بیماری کی وجہ سے ۱۹۹۹ء میں پڑھانا ترک کر دیا۔ تقریباً گزشتہ تین سالوں سے فجر کی نماز کے بعد گھر میں کچھ نوجوان علماء جن میں مولانا عبدالغفور عاصم اور مولانا محمد عثمان غنی شامل ہیں بخاری شریف پڑھنے کی غرض سے آتے جن کا سبق کتاب الدعا اور مدرسہ کے طلباء کا سبق کتاب الصلوٰۃ پڑھا کہ آخری وقت آ گیا۔ خطابت کے حوالے سے عرض ہے کہ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۹۷ء تقریباً بیس برس آپ نے دارالحدیث محمدیہ عام خاص باغ ملتان میں اور جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث قصور میں ۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۹ء تک خطابت فرمائی۔

رشتہ ازدواج اور اولاد:

مولانا عبدالرحیم کوٹلوی نے اپنے نور چشم مولانا عبدالحلیم کے لیے شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عبداللہ بڈھیما لوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ میرے بیٹے عبدالحلیم کے لیے عنایت کر دیں جسے حافظ صاحب نے قبول فرمایا۔ ۱۹۶۱ء میں آپ کی شادی ہو گئی۔ آپ کی اولاد میں حافظ عبدالوحید امریکا، ڈاکٹر عبدالکبیر محسن راولپنڈی، عبدالباسط، محمد عمران، عبدالحی عابد اور ایک بیٹی شامل ہیں۔

اساتذہ ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اساتذہ نے آپ کو آگے پڑھنے کا کہا مگر آپ کے والد آپ کو قرآن و سنت کی تعلیم کے لیے وقف کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے اخلاق و عادات اور تعلیم کی مکمل نگہداشت کی۔

تحصیل علم و تکمیل:

آپ نے صرف تیرہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تو آپ کو مدرسہ محمدیہ حفظ القرآن و الحدیث میر محمد قصور میں داخل کروادیا گیا۔ ایک سال میں ترجمہ القرآن و دیگر ابتدائی صرف و نحو کی کتب پڑھیں پھر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں ۱۹۵۵ء میں داخلہ لیا۔ دوسری جماعت کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۶ء میں مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ لاہور میں اپنی باقی تعلیم مکمل کی اسی دوران ۱۹۵۸ء میں فاضل عربی کا امتحان لاہور بورڈ میں تیسری پوزیشن سے پاس کیا۔ بخاری شریف کی دوبارہ قرأت ۱۹۶۰ء میں پھر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ کرام:

حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی، شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی، حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا شریف اللہ خان سواتی، مولانا محمد خان، شیخ الحدیث حافظ محمد اسحاق حسینی، شیخ الحدیث حافظ محمد عبداللہ بڈھیما لوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نامور شخصیات شامل ہیں۔

رفقائے مدارس:

جامعہ تقویۃ الاسلام غزنویہ لاہور اور جامعہ محمدیہ اوکاڑا میں درس بخاری کے آپ کے رفقاء میں مولانا محمد رفیق چچہ کلاں والے حال گوجراں والا، مولانا ماسٹر محمد شریف چچہ کلاں اوکاڑا، مولانا محمد بن عبداللہ شجاع آبادی شیخ الحدیث دارالحدیث ملتان، مولانا حافظ محمد اسماعیل اسد حافظ آبادی، مولانا محمد اسحاق قادر آبادی، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی اسلام آباد، حافظ محمد بن مولانا محی الدین لکھوی، قاری محمد رفیق اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

دورانِ امامت و خطابت قصہ تعویذ:

تعویذ نویسی سے پرہیز کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ شام کوٹ میں ایک دن ایک نمازی کہنے لگا کہ ہماری بھینس دودھ نہیں دے رہی کوئی تعویذ وغیرہ بنا دیں آپ نے انکار کیا اس نے اصرار کیا۔ فرمانے لگے کہ میں نے ایک کاغذ پر لکھ دیا کہ بھینس دودھ دے دو شام کو آدمی بالٹی میں دودھ لے کر آ گیا اور کہنے لگا آپ تو تعویذ نہیں دے رہے تھے۔ تعویذ جو آپ نے لکھ کر دیا اس خوشی میں دودھ لے کر آیا ہوں۔

علمی غرور سے مبرا:

مولانا ایک بلند پایہ عالم، محقق اور ادیب تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کے مزاج میں غایت درجے کی سادگی تھی۔ نہ کبھی گفتگو میں علمی رعب ڈالتے بلکہ دلائل و براہین کے حوالے سے سمجھاتے۔

خجل، حلم اور بردباری:

تواضع و انکساری، متانت و سنجیدگی اور خجل و بردباری جیسے اوصاف سے آپ متصف تھے اور اس قدر بڑے سے بڑا مخالف بھی آجاتا تو آپ حوصلے سے اس کی بات سنتے اور جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو پھر آپ اس کو مطمئن کرتے۔ اختلاف رائے میں بھی نرم الفاظ اختیار کرتے اور راہِ اعتدال پر قائم رہتے۔ آپ ہمیشہ اذفع بالتی ہی احسن کا نقشہ پیش کیا کرتے۔

بحیثیت معلم و مدرس:

آپ کا انداز تدریس آپ ہی کا خاصہ ہے جو بات کرتے دلیل سے کرتے آپ کے طلبہ سے تعلق میں اخلاص تھا یہی وجہ تھی کہ آپ کے منہ سے جو بات نکلتی فوری طور پر طلباء کو ذہن نشین ہو جاتی۔ اگر کوئی عام آدمی چند منٹوں کے لیے آپ کے درس میں شریک ہوتا تو بہت کچھ اپنے ساتھ لے جاتا۔ آپ کا طریقہ تدریس یہ ہوتا کہ پہلے سارے باب کی عبارت پڑھتے یا کسی سے پڑھواتے، پھر باب سے متعلق مسائل اس انداز میں بیان کرتے کہ تشنگی دور ہو جاتی آخر میں مشکل الفاظ کی وضاحت فرماتے۔ اختلافی مسائل میں آپ کا طریقہ

یہ ہوتا کہ پہلے ائمہ کی رائے اور ان کے دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کرتے پھر ترجیح کے دلائل بیان فرماتے تھے۔ درس کے دوران شاگردوں پر پوری توجہ ہوتی، طلباء کو سوالات کرنے سے منع کرتے نہ آپ ان کو ڈانٹتے۔

طلباء اور جامعہ کے اساتذہ سے اُن کا رویہ:

وہ طلباء سے بے پناہ محبت کرتے تھے طلباء ان پر حد درجہ اعتماد کرتے اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے کو فرض جانتے۔ ان کی گفتگو اس قدر مسحور کن ہوتی کہ بغاوت پر آمادہ طلباء کو بھی چند منٹوں میں ٹھنڈا کر دیتی۔ انہوں نے اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھا بلکہ جامعہ کے اساتذہ کرام کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھا اور اسی طرح جامعہ کے دیگر ملازمین سے بھی رویہ مثالی تھا۔

عمل کے میدان میں:

تقویٰ اور پرہیزگاری کے اثرات آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کے چہرے پر ایک قسم کی نورانیت تھی اس حدیث کے مصداق تھے کہ اذا دأ ذکر اللہ۔ آپ نماز بڑی عاجزی سے پڑھتے، آپ کو دیکھنے سے لذت نصیب ہوتی، آپ کے پاس بیٹھنے سے دل کو سکون ملتا۔ میں نے دورانِ تعلیم ان سے پوچھا استاد محترم مدرسہ کے حوالے سے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ فرمانے لگے کہ چھوٹے بچوں کو اپنے پاس نہیں بٹھانا اور نہ خود ان میں جا کر بیٹھنا، نہ ہی کسی لڑکے کو اُدھار دینا۔

اسلاف کی رائے کا احترام:

ایک بات جو میں نے ذاتی طور پر ان میں خصوصی طور پر محسوس کی وہ ان کا اسلاف سے گہرا تعلق اور رائے کا احترام تھا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولانا نے اپنے استدلال پر سلف صالحین اور بزرگان دین کا حوالہ نہ دیا ہو۔ وہ صفحہ اور سطر بھی بتاتے کہ فلاں کتاب میں فلاں مسئلہ درج کیا ہے۔ ان کا حافظہ علمائے اسلاف کی یاد دلاتا تھا۔ حقیقت میں وہ اسخون فی العلم کی عملی تصویر تھے۔

حصول علم کا ذوق:

ان کی تصانیف کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے ان کو یہ معلوم ہوگا کہ آپ کس طرح دینی مسائل میں تحقیق کرتے تھے۔ روزنامہ نوائے وقت ان کا پسندیدہ اخبار تھا۔ ہفت روزہ تکبیر کراچی سمیت جماعتی رسائل و جرائد کا باقاعدہ مطالعہ ہمیشہ رکھتے تھے۔

فروعی مسائل میں اعتدال:

استاذ گرامی فروعی اختلافات میں عموماً بہترین راستہ نکال لیتے۔ کبھی کسی پر طعن و تشنیع نہ کرتے اور نہ کسی کے متعلق غلط زبان استعمال کرتے، کسی پر تنقید عالمانہ انداز میں کرتے تھے مگر اشتعال سے ہمیشہ دور رہتے۔ ان کے نصاب بھی اس طرح ہوا کرتے تھے۔ فروعی مسائل میں ان کا کہنا تھا کہ دین کے کسی حکم اور دین کے کسی امام کو اپنے اصل مقام سے نہ بڑھاؤ اور نہ گھٹاؤ مگر افسوس ہے کہ آج تفریق و تجزیہ اور فرقہ وارانہ عصبیت کی وجہ سے کچھ لوگوں نے قولاً نہیں مگر عملاً ائمہ دین اور فقہاء و مجتہدین کو ارباب من دون اللہ کا درجہ دے دیا ہے اور کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو ہر چیز میں خود کفیل اور مستغنی عن المجتہدین سمجھ کر بے نیازی کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

مہمان نوازی:

مہمانوں کی خدمت اور عزت افزائی آپ کا معمول تھا۔ مہمان جامعہ کا ہو یا ذاتی ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور فرماتے مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں یہ لوگ دور دراز سے محبت اور عقیدت سے آتے ہیں ان کا اکرام ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اکرام سے مراد مرغن غذائیں، انواع و اقسام کے کھانے نہیں بلکہ جو گھر میں موجود ہو مثلاً چنے کی دال وغیرہ وہی پیش کر دینا ہی مہمان نوازی ہے۔

پانچ وتر کی ادائیگی:

آج سے کوئی دس سال قبل آپ کوٹ رادھا کشن آئے تو آپ کو

قاری صاحب نے نماز وتر پڑھانے کی دعوت دی۔ اہل حدیث عموماً ایک وتر پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور رمضان المبارک میں باجماعت وتر تین ہی ادا ہوتے ہیں۔ آپ نے تین کی بجائے پانچ وتر پڑھائے جس سے نمازیوں اور خواتین میں بے چینی محسوس کی گئی کچھ حضرات نے کہا کہ آپ نے پانچ کیوں پڑھائے بعض نے کہا کہ آپ بھول گئے اور بعض نے تین ہی ادا کر لیے۔ مسجد میں عجیب ماحول بن گیا ہم نے جب آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے پانچ پڑھانے تھے تو پہلے بتا دیتے فرمانے لگے ہو سکتا ہے کوئی جماعت سے پڑھنا نہ پسند کرے میں نے سوچا کہ آج انھیں پانچ وتر پڑھا دوں تاکہ یاد رکھیں کہ پانچ وتر پڑھنے بھی سنت ہیں۔

تراجم اور تصانیف:

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ تصنیف، تدریس اور تقریر کی خوبیاں کسی ایک شخص میں جمع ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کوئی عالم مصنف ہے تو مدرس نہیں، بہترین مدرس ہے تو مقرر نہیں اور اگر میدان خطابت کا شہسوار ہے تو تصنیف کے میدان میں نہیں چل سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تینوں اوصاف بالا سے نوازا تھا۔

①..... میلادِ مروجہ کی شرعی حیثیت: طالب علمی کے آخری دور میں ایک رسالہ لکھا جسے مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان نے کئی سال قبل شائع کیا اور ملک بھر میں مفت تقسیم کیا جاتا رہا۔

②..... فضائل علم و علماء: حافظ ابن قیم کی کتاب ”مفتاح دار السعاده“ کا اردو ترجمہ کیا جسے المکتبۃ السلفیہ نے شائع کیا تھا۔

③..... اکمال للمبرد کا ترجمہ: فاضل عربی کے نصاب سے باب الخوارج تبدیل کر کے غالباً ۱۹۷۴ء میں اکمال للمبرد کے ابواب ضرب الامثال کے کچھ حصہ جات نصاب میں شامل کیے گئے۔ اس وقت اصل کتاب کا حصول بھی مشکل تھا اس دور میں آپ نے اصل کتاب کا ترجمہ مع اصل عبارت تحریر کیا جو تاحال نصاب میں شامل ہے۔

④..... اسلامی آداب: جس میں روزمرہ کے معمولات زندگی

قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیے گئے۔ (مطبوعہ)

⑤..... مشکوٰۃ شریف: مؤلف امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری متوفی ۴۳۳ھ کا ترجمہ مولانا عبدالحکیم علوی فاضل عربی کے نام سے کیا جوتا حال مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور والے شائع کر رہے ہیں۔

⑥..... شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم کی سرپرستی میں علمائے اہل حدیث کے تراجم پر کافی محنت کی اور ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی تھی لیکن شائع نہ ہو سکی۔

⑦..... اعجاز القرآن نامی کتاب علامہ نعیم الحیسی کی تالیف کردہ مصر سے طبع ہو کر پاکستان میں ۱۹۶۲ء میں آئی تھی۔ جس میں ہر صدی میں اعجاز القرآن پر لکھنے والوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا۔ یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب تھی۔ شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کی توجہ دلانے پر اس کا ترجمہ کیا جو تقریباً چھ ماہ تک مسلسل ماہنامہ پیام حق کراچی میں قسط وار شائع ہوا مستقل طور پر یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی۔

⑧..... توفیق الباری شرح صحیح بخاری شریف: توفیق الباری کے آغاز میں اُستاد محترم لکھتے ہیں کہ بندہ نے ۱۴۰۰ھ کو بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا تھا۔ حمدہ تعالیٰ تحدیث بالعمۃ کے طور پر عرض ہے کہ ان سطور کی ترقیم تک پچیسواں دور اختتام پذیر ہوا ہے۔ جب کہ بنات کے ایک مدرسہ میں بھی متواتر دس بارہ مرتبہ بخاری شریف پڑھائی ہے۔ مجموعی طور پر پینتیس، چھتیس بار بخاری شریف ختم کرنے کی اللہ پاک نے سعادت نصیب فرمائی ہے۔

رمضان ۱۴۲۶ھ میں اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا کہ چند مشہور اور مستند شروح کے تمام مباحث کو اردو کے قالب میں ڈھالا جائے۔ خدا کی حکمت تھی کہ یہ خیال اس وقت نہ آیا جب جذبہ جواب اور ہمتیں بیدار تھیں۔ اب پینسٹھ برس کی عمر اور پچھلے چودہ برس سے دل کی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے اب وہ محنت نہ ہو سکتی تھی۔ کئی دن کی سوچ بچار کے بعد نگاہ انتخاب اپنے بیٹے ڈاکٹر حافظ عبدالباقی محسن فاضل وفاق

المدراس پر پڑی۔ ڈاکٹر صاحب انھیں دنوں ملنے کے لیے اوکاڑا آئے تو اپنا منصوبہ ان کے سامنے پیش کیا پہلے تو بہت پس و پیش کرتے رہے کہ میرا میدان ہی مختلف ہے یہ کام تو کسی شیخ الحدیث کا ہے۔ لیکن مولانا مرحوم متواتر ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ اس عظیم کام کے لیے تیار ہوئے۔ اپنے بیٹے کے بارے فرمایا میرا ان کے بارے میں بچپن سے مشاہدہ ہے کہ کبھی خیر کی دعوت مسترد نہیں کی۔ میری ہدایات اور مشورے ان کے شامل حال رہے ہیں۔ نظر ثانی کا کام نہایت جانفشانی سے انجام دیا۔ الحمد للہ میں مطمئن ہوں کہ جس طرح میری خواہش تھی اس طرح کا کام ہوا ہے ان کی صلاحیتوں سے مجھے یہی امید تھی۔ والحمد للہ الذی لم یغیب ظنی فیہ

عمر کے اس آخری حصہ میں سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ خود یہ کام کرتا اب یہ اطمینان ہے کہ خود نہیں تو اپنے جسم کے ایک حصہ ہی نے کیا ہے۔ ابتداء کردی ہے کہاں تک کام پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

زندہ دلی اور ہنس کھ:

ان کے ساتھ واجبی تعلق والے لوگوں کے لیے وہ ایک نہایت سنجیدہ شخصیت تھے۔ جب کہ زندہ دل اور ہنس کھ شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے قریبی دوست مولانا حافظ احمد شاہ کرمدیر الاعتصام لاہور، مولانا عبدالرحمن گوہڑوی، مولانا محمد اسحاق قادر آبادی، قاری عبدالرؤف فیصل آبادی، بھائی محمد حنیف دوہی، حکیم عبدالواحد یزدانی اور دیگر جانتے ہیں کہ وہ نہایت زندہ دل اور خوش مزاج شخص تھے۔ جب موڈ میں ہوتے یا مجلس ایسی رنگت اختیار کر لیتی تو وہ تفریحاً اپنے اور دیگر علماء اور دوستوں کے دلچسپ واقعات سناتے۔

تلامذہ علمائے کرام:

آپ سے علم حاصل کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو اس وقت پاکستان کے تمام اضلاع کے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مساجد و مدارس اور دیگر ممالک میں تعلیم قرآن و سنت میں مصروف

ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

قاری محمد خالد مجاہد آف پتوکی قصور، ڈاکٹر حافظ عبدالکبیر محسن راولپنڈی، حافظ عبدالواحد اعوان امریکا، مولانا محمد اشرف غوری پاک آرمی، مولانا محمد رمضان شاکر شام کوٹ قصور، شیخ الحدیث مولانا زید فاضل مدینہ یونیورسٹی اسلام آباد، حافظ حسن محمود کبیر پوری پتوکی قصور، قاری سیف اللہ عابد ڈھولہ خطیب خانیوال، حافظ محمد ادیس ضیاء وہاڑی، ڈاکٹر عبدالغفور راشد لاہور، حافظ محمد اعظم بن رجب گلگت، مفتی مولانا محمد یوسف قصوری کراچی، مولانا سید شفیق الرحمن چشتی جھنگ، قاری اظہار احمد جامعہ عزیز یہ ساہیوال، مولانا محمد عباس طور جھوک دادو فیصل آباد، مولانا محمد حامد لکھوی دیپالپور اوکاڑا، مولانا عبدالودود زاہد خطیب بھوئے آصل قصور، مولانا عبدالجید صوبہ بدخشاں افغانستان، حافظ سیف اللہ کبیر پوری سرگودھا، قاری عبدالرزاق طاہر الہ آبادی، مولانا قاری عبداللہ طیب وہاڑی اور راقم الحروف حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی دیگر شامل ہیں۔

بارٹ اٹیک اور بیماری کا شدید حملہ:

پہلی بار آپ کو ۱۹۹۲ء میں دل کا حملہ ہوا۔ تقریباً چھ ماہ صاحب فراش رہے۔ اس کے بعد ۱۳ جون ۱۹۹۹ء کو بیماری کا شدید حملہ ہوا۔ دو دن بے ہوش رہے اس کے بعد ان کو علاج معالجہ کے لیے الشفاء ہسپتال اسلام آباد، سی ایم ایچ راولپنڈی میں لے جایا گیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ دوائیاں کھاتے ہوئے تیرہ سال گزر گئے۔ اردو محاورہ کے مطابق یہ بڑے دل گردہ کی بات ہے دل مریض ہو چکا اور گردے متاثر ہو گئے ہیں اور اب مجموعہ امراض بن چکا ہوں۔ مولانا ظفر اللہ لکھوی صاحب ناظم دفتر جامعہ محمدیہ اوکاڑا نے جنازے کے موقع پر بتایا کہ ان کے صاحبزادے حافظ عبدالوحید علاج معالجہ کے سلسلے میں انھیں امریکا اپنے پاس منگوانے کی تیاری میں مصروف تھے۔

آخری ملاقات اور وفات کی اطلاع:

۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو آپ کے صاحبزادے بھائی محمد عمران کے دعوت و بیمہ کے موقع پر آپ کے ہاں اوکاڑا میں حاضر خدمت ہوا۔

آپ کے پاس کچھ لمحات بیٹھنے کا موقع ملا۔ آپ کے ساتھ بعض امور کے بارے میں تبادلہ خیال بھی ہوا۔ آپ سے اجازت لے کر واپس کوٹ رادھا کشن آ گیا اس کے بعد آپ نے میرے ساتھ دوبار فون پر گفتگو فرمائی۔ آپ کے بھتیجے قاری عبدالباقی بن مولانا عبدالحکیم پتوکی نے ۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کو صبح دس بجے فون پر اطلاع دی کہ تایا جی شیخ الحدیث مولانا عبدالحکیم آج صبح انتقال کر گئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عصر کے بعد ان کی نماز جنازہ ہوگی۔

زندگی کے آخری لمحات اور نماز جنازہ:

۷ دسمبر کو صبح تہجد کے وقت طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ آپ کو فوری ڈسٹرکٹ ہسپتال اوکاڑا کی ایمرجنسی میں ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی کے ہاں لے جایا گیا۔ آپ کے ساتھ جانے والے بیٹوں محمد عمران، عبدالحی عابد نے بتایا کہ راستے میں ہمیں کچھ کہہ رہے تھے کہ پڑھو اور خود بھی گھر سے ہسپتال تک زبان سے پڑھتے رہے۔ اور ان کی زبان پر مختلف کلمات کا ورد جاری تھا۔ ڈاکٹر صاحب چیک کر رہے تھے۔ آپ نے صاحبزادگان سے پانی طلب کیا کچھ پیا اور مسکرائے اس کے بعد دو چار ہچکیاں لیں اور روح نقس عصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی نماز جنازہ اوکاڑا کی مرکزی جنازہ گاہ میں ادا کی گئی اور امامت کے فرائض حافظ محمد مسعود عالم بن مولانا محمد یحییٰ شریقی پوری نے سرانجام دیئے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اُستاذ المکرّم کی دینی، مسلکی اور تدریسی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے، آمین۔

ان کی اولاد، اور تلامذہ کو صبر کی توفیق دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہت ہوئے دنیا میں شام و سحر پیدا

مگر صدیوں میں ہوتا ہے کوئی دیدہ ور پیدا



جوراء تھی یقین کی

کس کے لیے یہ نغمگی ہست و بود ہے
 دشت جہاں میں کس کا جمال وجود ہے
 کس جنبشِ نظر سے شکستِ جمود ہے
 کس لطفِ چشمِ خیر کی ہر سو نمود ہے
 کیوں آدمی وہ حسنِ نظر دیکھتا نہیں
 جس سمت دیکھنا تھا ، اُدھر دیکھتا نہیں
 جس کے قدم کی خاک ابد تک ہے راہبر
 جس کی نظر کا حسن ہے سرمایۂ نظر
 جس کے سخن کا رنگ ہے رنگوں میں معتبر
 جس کا کلام سارے کلاموں میں پر اثر
 محروم اُس کلام سے کیوں ہے یہ آدمی
 اپنے جنوں میں خوار و زبوں ہے یہ آدمی
 کیوں آدمی ہے در بدری کے عذاب میں
 خیرہ ہے اس کی آنکھ جہانِ سراب میں
 روشن خیالیوں کی نئی آب و تاب میں
 ”نے ہاتھ باگ پر ہے ، نہ پا ہے رکاب میں“
 جو راہ تھی یقین کی ، گماں ہو گئی اسے
 سورج کی روشنی بھی دھواں ہو گئی اسے